بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مجموعۂ کلام

پرتوِ خیال

بشیرؔ الحق

نام کتاب : پرتوِ خیال
مصنف : بشیرالحق
قیام گاہ : وترڈ، رایتھن، بڈگام کشمیر۔191111
سالِ اشاعت : ۲۰۲۰ء
تعداد : 500
کمپیوٹر کمپوزنگ : عادل کمپیوٹرس، بربرشاہ سرینگر9419953102#
قیمت : -/800روپے

بشیؔرالحق ایک نظر میں

نام : پیرزادہ بشیؔرالحق

تخلص : بشیؔر

والد : محترم پیر غلام محی الدین شاہؒ

(یاریکلان، چاڈورہ بڈگام)

والدہ : محترمہ شاہ بانو

پرورش زیر سایہ: محترم پیر عبدالعزیز شاہؒ بن محترم پیر غیاث الدین شاہ صاحبؒ

اولادان

فرزند: کوثر حسین، اسرارالحق

دختر : یعقوت، فہیمہ سیماآب

مستقل سکونت: وترڈ رائیتھن بڈگام کشمیر۔۱۹۱۱۱۱

رابطہ کیلئے : 9596529726/9419999963

اس زندگی میں ہم نے جو محسوس کیا ہے
اشعار کے سانچے میں اُسے ڈھال لیا ہے

اِس سوچ میں دونوں کا ہے اِک ربطِ مسلسل
کچھ میری ادا ہے تو کچھ اُس کی عطا بھی

(بشیرؔ)

انتساب

اپنے پوتوں کے نام
جو میری ناسازئ صحت کے دوران
میرا ہاتھ تھام کر
مجھے ادبی محفلوں میں لے جاتے رہے

میرا پوتا ہے میرا ہاتھ تھامے
بڑھاپے میں یہی میری چھڑی ہے
(بشیرؔ الحق)

اے عرشؔ فکر و فن کے سوا شعریت بھی ہے
میری نظر کے سامنے ہے ''پرتوِ خیال''
(عرشؔ صہبائی)

خورشیدؔ پھر کہیں پہ بھی جاتا نہیں خیال
جب ''پرتوِ خیال'' ہو نظروں کے سامنے
(خورشیدؔ کاظمی)

ترتیب

میرے ہونٹوں پر ہے بس اتنی دُعا
رحم کر وادی پہ اے میرے خُدا
پھر پلٹ آئے یہاں امن و امان
پھر جہنم زار کو جنّت بنا

(بشیرؔ)

اپنی بات

کشمیر کے ایک مشہور صوفی گھرانے سے میرا تعلق ہے۔ جہاں ہر روز مذہبی، سماجی اور ادبی محفلیں سجتی رہتی تھیں۔ کشمیری اور فارسی شعر وادب پر مباحثے بھی ہوتے تھے اس لئے بچپن سے ہی علم وادب کے ساتھ لگاؤ رہا۔ پہلے کشمیری زبان وادب سے دلچسپی ہوئی اور اس زبان میں اظہارِ خیال کرتا رہا۔ ''شمع عقیدت'' کے عنوان سے کشمیری زبان میں ایک شعری مجموعہ بھی منظر عام پر آیا ہے جسے قارئین نے قافی سراہا۔ چونکہ ہمارے گھر میں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا اس لئے اوائلِ عمر سے ہی کچھ نہ کچھ پڑھنے کی عادت ہوگئی۔ اس دوران مرحوم ابنِ صفی اور ایچ اقبال کے جاسوسی ناول بھی میرے مطالعے میں آئے۔ جس سے نہ صرف اُردو زبان سے میری دلچسپی بڑ گئی بلکہ ادبِ عالیہ کی جانب بھی متوجہ ہوا۔ برصغیر کے نامور ادبا حالیؔ، کرشن چندر، منشی پریم چند، انتصار حسین، منٹو وغیرہ کا مطالعہ کیا تو نثر میں لکھنے کی ترغیب ہوئی۔ مگر بعد میں جب شعراء حضرات میرؔ، غالبؔ، ذوقؔ، اقبالؔ وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کیا تو طبیعت شاعری کی طرف ہی مائل ہوئی۔

گھر میں بھی ادبی ماحول میسر تھا اور باہر بھی ادب نواز حضرات سے نشست و برخاست رہی۔ قدرتی بات ہے کہ صحبت اثر رکھتی ہے۔ کبھی کبھار شعر بھی موزون ہونے لگے۔ وقت گزرتا گیا اور کلام جمع ہوتا گیا۔ مگر کسی بڑے شاعر یا ادیب کو یہ کلام دکھانے کی ہمت نہیں ہوئی اور نہ میں اسے قابلِ اشاعت سمجھتا تھا۔ کیونکہ شاعری جس تخلیقی بصیرت اور تخلیقی قوّت کا تقاضا کرتی ہے وہ میرے پاس نہیں تھا اور پھر چونکہ عہدِ حاضر میں تخلیقی اظہار کسی ایک اسلوب کا پابند نہیں رہا ہے۔ جدیدیت کی شکست و ریخت نے روایتی غزل کو بندھے ٹکے اصولوں سے بڑی حد تک آزاد کر دیا ہے۔ شاعروں کی ایک کثیر تعداد وجود میں آئی ہے۔ یہ صورت حال بھی میرے پیچھے رہنے کی ایک وجہ تھی۔

خوش بختی سے چند سال پہلے جموں میں ایک ادبی تقریب میں جناب عرش صہبائیؔ سے ملاقات ہوئی اور اِن کا کلام سننے کا موقع ملا اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ابھی کچھ شعراء حضرات موجود ہیں جو اپنی خود آگہی اور تخلیقی وجدان کے بل پر میدان میں کھڑے ہیں۔ ان کی تخلیقات نہ صرف معیاری ہیں بلکہ عام فہم بھی ہیں۔ اُنہوں نے میرا کلام سن کر نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ مکمل رہنمائی بھی کی۔ اس لحاظ سے میں اُن کو اُردو شاعری میں اپنا اُستاد ماننے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ ان کا اسرار تھا کہ اس کلام کو فوراً شائع ہونا چاہیئے۔ مگر اسے شائع کرنے سے قبل وادی میں اپنے دوستوں

سے بھی مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے جب میں واپس کشمیر آیا تو اپنی پہلے فرصت میں اپنے انتہائی محترم اور عزیز دوستوں جناب رفیق رازؔ صاحب، ڈاکٹر عزیز حاجنیؔ صاحب اور منشورؔ بانہالی صاحب کو یہ مسودہ دکھایا اور رائے طلب کی۔ یہ تینوں حضرات جانے مانے ادیب اور شاعر ہیں جن کی کئی تصنیفات منظر عام پر آ کر اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ ان حضرات نے اپنی کافی مشغولیت کے باوجود بھی اس مسودے کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کر کے نہ صرف اپنی رائے قلمبند کی بلکہ مفید مشورے بھی دئے۔ جن سے اس کتاب کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوا۔ ان حضرات کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہوگا۔

اپنے عزیز ڈاکٹر شاداب ارشد کا بھی شکریہ کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب پر خوبصورت مضمون لکھ کر اپنی ادب نوازی کا ثبوت دیا۔ علاوہ ازین عزیزی عادلؔ اسماعیل صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی مشکل حالات میں اس کتاب کی کمپوزنگ کی۔

اس کے باوجود اس کوشش میں خامیاں رہی ہوں گی کیونکہ میں نہ تو اہلِ زبان ہوں اور نہ ہی زبان دان۔ اس لئے قارئین سے گزارش ہے کہ غلطیاں نظر انداز کریں اور اگر کوئی بڑا ادبی سقم نظر آئے تو براہ کرم مطلع کر کے رہنمائی فرمائیں۔

بشیؔر الحق

☆......عرش صہبائی

قابلِ توجہ شاعری مجموعہ

''پرتوِ خیال'' جناب بشیر الحق بشیؔر صاحب کا مجموعہ کلام ہے جو ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ ریاستی سطح پر ایسے بہت کم شعری مجموعہ ہوں گے جو معیاری شاعری کے ضامن ہوں گے۔''پرتوِ خیال'' بھی ان میں شامل ہے۔ہم اسے ریاست کے ادب کے اثاثہ میں شامل کر سکتے ہیں۔اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بشیؔر صاحب کی شاعری آمد کی شاعری ہے۔ اس صورت میں شاعر خود شعر نہیں کہتا بلکہ شعر اپنے آپ کو اس سے کہلواتے ہیں۔اُن کے کلام میں مضمون آفرینی بھی ہے۔شاعری میں مضمون آفرینی کی اپنی اہمیت ہے۔ یہ ہر شاعر کے اشعار میں نہیں ہوتی اور بالخصوص رواں دَور کی شاعری میں جو تُک بندی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جدید اور مابعد جدید شاعری نے ایسے شاعروں کی تعداد میں اضافہ کیا ہے اور ان کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج کی شاعری میں منفی رموز کے

علاوہ، شعریت کا فقدان ہے۔ بشؔیر صاحب کے کلام میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو اچھی اور معیاری شاعری کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہیں ہوگا کہ بشؔیر صاحب ایک صوفی انسان ہیں۔ اُن کی شاعری پر اُن کی ذاتی زندگی کا گہرا اثر ہے۔ یہاں میرے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ایک اچھا انسان ہی اچھا فنکار ہوتا ہے۔

''پرتوِ خیال'' آپ کے پیشِ نظر ہے۔ اس سے اشعار کا انتخاب خود کریں۔ اس عمل میں آپ کو یہ دِقّت ضرور پیش آئے گی کہ کس شعر پر توجہ دیں اور کس کو نظرانداز کریں۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ میں نے اُن کے کلام کی جو تعریف کی ہے وہ ذاتی تعلقات کی بنا پر نہیں بلکہ کلام کی خوبیوں کے سبب ہے۔ بشؔیر صاحب کی ذات سے بہت سی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ''پرتوِ خیال'' کے بعد منظر عام پر آنے والا شعری مجموعہ اس سے بھی بہتر ہوگا۔ موصوف ایک خاموش طبع انسان ہیں۔ یہ خاموشی شائد اس وجہ سے ہے کہ اُن کی زندگی میں تجربات اور مشاہدے کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ میں اُن کی ذات سے بھی زیادہ متاثر ہوں لیکن کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن سے میرا جنم جنم کا رشتہ ہے اور رہے گا۔ میں خود انسانیت کے مذہب میں یقین رکھتا ہوں جب بشؔیر صاحب کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو اُن کا صوفی ہونا قدرتی ہے۔

''پرتوِ خیال'' کے نام سے اُن کا یہ شعری مجموعہ صرف نام ہی نہیں

بلکہ حقیقت میں اُن کے خیالات کا آئینہ دار ہے۔ کیوں کہ وہ ایک حساس دِل انسان ہیں اس لئے اپنے محسوسات کو دِل کھول کر ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا کہ اِن کا کلام زندگی سے جُڑا ہوا ہے۔ اس لئے کسی تصنوع سے دُور ہے۔

میں اُن کی درازی عمر کے لئے دُعا کرتا ہوں تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ادب کی خدمت کرسکیں۔ آمین

عرش صہبائی
جموں

۱۴؍نومبر ۲۰۱۹ء

☆......ڈاکٹر عزیز حاجنی

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

بشیؔر الحق صاحب عصر حاضر کے کشمیری شعراء میں کئی اعتبار سے منفرد ہیں۔ میں نے اُن کو پچھلے کئی برسوں سے سرینگر اور جموں میں منعقد ہونے والی ادبی تقاریب میں شامل ہوتے دیکھا ہے۔ تاہم اِن مجالس میں اِن کی شرکت ایک ہوش مند سامع اور ادب نواز کی حیثیت میں ہوتی تھی۔ حالانکہ ہمارے یہاں اب یہ تقریباً دستور بن چُکا ہے کہ شعراء اور اُدباء اُسی محفل میں جاتے ہیں جہاں اِن کو یا تو ایوانِ صدارت میں بیٹھنا ہو یا اپنا کلام سنانا ہو۔

بشیؔر صاحب کے ساتھ میرا تعلق گو کہ طویل نہیں لیکن نہایت ہی مُشفِقانہ اور محبتوں بھرا ہے۔ میرے لئے آپ قابل قدر حبیب محترم ہیں۔ اکیڈیمی میں میری سیکریٹری شپ کے دوران بارہا مجھے بشیؔر صاحب سے ملاقات ہوتی رہی۔ لیکن کبھی بھی انہوں نے یہ تقاضا نہیں کیا کہ کسی مشاعرے یا کسی دیگر پروگرام میں آپ کو کلام وغیرہ پڑھنے کے لئے شامل کیا جائے۔

کم گوئی آپ کی شخصیت کا مُتاثر کُن پہلو ہے۔ نہایت ہی ذہین اور علمی اورادبی امورات پر ماہرانہ دسترس رکھنے کے باوجود بھی اوروں کا سننے میں ہی آنند لیتے ہیں بھلے وہ بھول چال غلط اور مہمل ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے ابھی تک یہی خیال تھا کہ بشیر صاحب صرف کشمیر زبان میں ہی طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن اُن کا تخلیق کردہ زیرِ دست اُردو شعری مجموعہ دیکھ کر مجھے نہ صرف بے حد خوشی ہوئی بلکہ حیرانی بھی ہوئی۔ حیرانی اِس لئے ہوئی کہ میں نے کبھی بھی آپ کو اُردو میں دو لفظ بولتے ہوئے نہیں دیکھا ہے اور روزمرہ کے امورات کے اعتبار سے بھی آپ ایک خالص کشمیری صوفی منش دکھتے ہیں۔ اِس ظاہری کم گوئی اور کسرِ نفسی کے باوجود زیر بحث اردو مجموعہ میں آپ ایک ایسے اردو دان کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں جنہیں اِس زبان کی باریکیوں اور لسانی نزاکتوں پر ایک ماہرانہ نظر ہے اور اُردو شاعری کی روایت کا احساس و ادراک بھی۔ آپ غزل جیسی نازک اور تکنیکی طور پیچیدہ صنف میں اپنی مخصوص فکر کا اظہار نہایت ہی شگفتگی کے ساتھ کرتے ہیں۔ عقیقدت مندی کے جذبے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے رہنے کے باوجود بھی آپ اِس صنف کے تقاضوں کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ ؎

ہم تو اپنی زندگی کے غم بھُلا کر آئے ہیں
در پہ جب سے آپ کے سر جھکا کر آئے ہیں

☆

آپ ٹھہرے لا شریک و لازماں و لا مکاں
آپ کی تعریف ہونٹوں پر سجا کر آئے ہیں

☆

بشیؔر صاحب شاعری میں لفظ کے موزوں استعمال سے واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کی شاعری میں الفاظ لغوی معنی کی محدود سطح سے اُوپر اُٹھ کر ہمہ جہت بن جاتے ہیں۔ ؎

وہ مدّت سے مرا دیوانہ بھی ہے
یہ لگتا ہے کبھی بیگانہ بھی ہے
کبھی مینار ہے یہ روشنی کا
کبھی اِنسان ظُلمت خانہ بھی ہے

☆

میں اکثر سوچتا ہوں خط میں اُس کے نام کیا لکھوں
نہیں آغاز جب کوئی تو انجام کیا لکھوں

☆

بشیؔر ایسے میں بس تنہائیاں ہیں اور دہشت ہے
یہ میری زندگی کی صبح ہے یا شام کیا لکھوں

☆

مجھے یقین ہے کہ بشیؔر الحق کا یہ شعری مجموعہ پڑھتے ہوئے قارئین

لطف اندوز ہوں گے اور واہ واہ کئے بغیر نہیں رہ پائیں گے۔

یہ کتاب ریاست جموں کشمیر میں اُردو کے ادبی حلقوں کے لئے بھی ایک تحفے سے کم نہیں ہوگی۔

میں بشیرؔ صاحب کے لئے یہی دُعا کرتا ہوں کہ ؎

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اخلاص مند

عزیز حاجنی

کے پی باغ، سرینگر کشمیر

☆......رفیق رازؔ

گوشۂ تنہائی میں گنگنانے والا شاعر۔بشیرؔالحق

بشیرؔالحق صاحب کشمیر کے ادبی حلقوں کے شور وغوغا سے دوٗر زبان و ادب کی خدمت میں خاموشی کے ساتھ مصروف ہیں۔ بقول غالبؔ: ؎

''نہ صلے کی تمنّا نہ ستائش کی پروا''

وہ آپ کو کسی مشاعرے میں کلام پڑھتے ہوئے نظر نہیں آئیں گے اور نہ کسی ریڈیو یا ٹیلیویژن پروگرام میں شرکت کرتے ہوئے دِکھائی دیں گے۔ وہ بے نیازی سے مگر اپنا شعری سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آپ اُنہیں ادب کے گوشہ نشین کہہ سکتے ہیں۔ ابھی تک اُنہوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اُردو میں بھی اور کشمیری میں بھی لیکن چند خاص لوگوں کے بغیر اِس کا علم کسی کو بھی نہیں کہ وہ قلم کے بھی شہسوار ہیں۔

آج وہ اپنا منتخب کلام کتابی صورت میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ کلام کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اِسے کتابی شکل دی جائے۔ مُجھے یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ میں ان کی شاعری پر اپنی رائے دے

رہاہوں جسے بشیرالحق صاحب اپنے کِتاب میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔میرے پاس ان کی شاعری کا مسودہ آ گیا۔ میں نے مسودے کا بالاستعیاب مطالعہ کیا اور میں حیراں رہ گیا کہ ایک گوشۂ نشین شاعر جس نے لگ بھگ ترکِ دُنیا بھی کیا ہوا ہے کس طرح اپنے اردگرد کے ماحول اور اپنے شہر کے حالات سے واقف ہے۔ اِس واقفیت کواُنہوں نے اپنے اشعار میں راست انداز میں بیان نہیں کیا ہے بلکہ بالواسطہ انداز میں بیان ہوا ہے۔دوسری حیرانی مجھے یہ مسودہ پڑھ کرتب ہوئی جب میں نےمحسوس کیا کہ وہ عہد حاضر کے دِل کی دھڑکن سُنتے ہیں اور اِس دھڑکن سے متاثر بھی ہیں۔وہ روایت کے پاسدار ضرور ہیں مگر ان کا لب و لہجہ قطعاً روایتی نہیں ہے۔ اُنہوں نے روایت کی پاسداری کرتے ہوئے صرف غزل کو اپنا وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔لیکن اِن کی غزل لہجے اور موضوعات کے لحاظ سے آج کی غزل کے بہت قریب ہے۔

ان کا وسیلۂ اظہار غزل ہے۔ ہر غزل گو روایتی بھی ہوتا ہےاورنہیں بھی ہوتا ہے۔ روایتی وہ اِس معنی میں ہوتا ہے کہ صنف غزل میں ہیتی لحاظ سے نیا پن لانا ممکن نہیں لیکن غزل اپنے عہد اور وقت کے ساتھ ہم آہنگ ہوتو خود بخود نئی اور تازہ لگتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بشیرالحق صاحب اِن معنوں میں روایتی نہیں ہیں۔

بشیرالحق صاحب کی شاعری میں داخلیت پسندی کے عناصر زیادہ پائے جاتے ہیں۔ زندگی اور دُنیا کے مسائل کا انہوں نے اپنی ذات کے

حوالے سے ہی اظہار کیا ہے۔ اِن کے شعروں میں ایک خوش کن آہنگ اور لہجے میں تاثیر ہے۔ اِن کی شاعری دھیمے لہجے کی شاعری ہے۔ وہ روایت پرست نہیں البتہ روایت پسند ضروری ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے غزل کی بنیادوں کو یکسر نہیں ٹھکرایا ہے بلکہ اپنی غزل کی عمارت اُنہیں بنیادوں پر کھڑی کی ہے جن پر غزل کی عمارت اُستوار ہے۔

اِس مجموعے میں کئی حمد اور نعوت بھی شامل ہیں جو اپنی طرف قاری کا توجہ کھینچتے ہیں۔ کیونکہ بشیرؔ الحق صاحب دُنیا سے زیادہ عاقبت کا شدید احساس رکھتے ہیں اس لئے اِن کی غزلوں میں بھی کہیں کہیں نعتیہ رنگ جھلکتا ہے۔ اِن کی نعتیں پڑھ کر قاری کو احساس ہوتا ہے کہ وہ کس قدر عشقِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہیں۔ وہ نعت لکھتے ہیں تو عشقِ رسولؐ میں ڈوب کر لکھتے ہیں محض رسم نبھانے کے لئے نہیں۔ان کی نعتوں سے وہ سرشاری جھلکتی ہے جو عشق کے بغیر نہیں آتی۔لیکن اُنہوں نے احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔عشقِ رسولؐ کی سرشاری بھی ان کے نعوت میں پائی جاتی ہے اور وہ محتاط اندازِ بیان اور لہجہ بھی نظر آتا ہے جو عاشقانِ محمدؐ کا خاصہ ہے۔

مجھے یقین ہے اِن کا یہ مجموعہ ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کرے گا۔

رفیق رازؔ، سرینگر

☆......منشور بانہالی

بشارت گُفتار سُخنور

کہاں یہ شاعری کا فن کہاں میری بساط اِتنی
یہ ممکن ہوسکا ہے اَے بشیؔر اُس کی عنایت سے

☆

اس جہاں میں ہے بہت مُشکل سخن سازی کا فن
یوں تو ہیں کِتنے سُخنور مُعتبر کوئی نہیں

بشیؔرالحق صاحب ایک علمی اور دینی خانوادہ سے متعلق ہیں جہاں اخلاقی اور دینی تدریس کے علاوہ محافِل شعر وسماع کا بھی میلان رہا ہے جس کا براہ راست اثر آپ کے دل پر منقش ہوتا رہا۔ اگر چہ گردشِ دوراں کے سبب آپ کو عہدِ طفولیت سے ہی نان ونفقہ اور حصول معاش کی تگ ودو سے

سابقہ رہا اور آپ کو تعلیم اور اسناد تک رسائی کا موقعہ فراہم نہ ہوسکا لیکن اپنے ابتدائی بچپن میں اپنے بزرگوں کے دامنِ تربیت میں اپنے ہی گھر میں جو حروف شناسی اور خواند و نوشت کا فیضاں حاصل ہوا۔ اُس کی خوشبو آپ کے ذہن و شعور میں بسی رہی جو آگے چل کر آپ کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ آپ کے قلب و احساس کو مہکاتی رہی۔ آپ ابتدا سے ہی اصحابِ شعر و سخن اور اصحاب فن کے قدر داں رہے اور حسبِ موقع اِن سے استفادہ بھی کرتے رہے۔ فِکرِ شعر کی صلاحیت آپ کو فطری طور ودیعت ہے جس کا ثمرہ آپ کا اپنی مادری زبان کشمیری میں وہ موقر شعری مجموعہ ہے جو شمعٔ عقیدت کے نام سے شائع ہوکر اصحاب ذوق سے پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

آپ ایک صاحب عقیدت اور باذوق سخنور ہیں اور بغیر کسی ہاو ہو اور نمود و نمائش کے خاموشی کے ساتھ شعر و سخن کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ اپنے علاقے میں آپ ایک صاحب عقیدت بُزرگ کی حیثیت سے محترم مانے جاتے ہیں۔

اُردو زبان میں آپ کی شعر گوئی کا شُغف آپ کے اکثر دوستوں کے لئے اور خود راقم الحروف کے لئے بھی کچھ اچنبے سے کم نہیں۔ میری دانست میں اِس کا ایک وجہ آپ کا سردیوں کے دوراں بیشتر وقت جموں میں گزارنا بھی ہے، جہاں آپ اُردو کی مجالس میں گاہے گاہے شریک ہوتے رہے اور اِس طرح اُردو سے اِن کی دلچسپی بڑھتی ہی گئی۔ آپ اُردو کی شعری

روایت سے پوری طرح آشنا نظر آتے ہیں۔غزل آپ کی شعر گُزاری کی پسندیدہ صنف ہے جس میں آپ مختلف زمینوں اور اوزاں و بحور کا استعمال کرتے ہیں۔جن میں ایک فی البدیہ روانی اور آمد پائی جاتی ہے۔معرفت الٰہی اور اِصلاح احوال اگر چہ آپ کے کلام کا حاوی موضوع اور خاص مطمع نظر ہے۔لیکن آپ عصری شعور سے نابلد نہیں ہیں۔ بلکہ سماجی، سیاسی اور عالمی نشیب و فراز کا ادراک بھی رکھتے ہیں۔اس طرح سے آپ کے غزلوں میں روایت اور جِدت کا ایک دلپذیر اِمتزاج دیکھنے کوملتا ہے۔آپ کے کلام میں ایک صاحب ذوق اور آزمودہ کار سُخنور بولتا ہوا نظر آتا ہے جس سے آپ کے اچھے خاصے شعری ادب کے مطالعے کا بھی عندیہ مِلتا ہے۔ باہمی اُنس و محبت بھائی چارے اور امن و انصاف کی جانب توجہ مبزول کراتے ہیں اور ظلم اور جبر کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں۔

آپ کے ''پرَتَوِ خیال'' کے اِس شعری مجموعے سے چند نمونے کے اشعار ''مُشتے نمونہ از خروارے'' پیش کیئے جاتے ہیں تا کہ قارئین کرام خود اِن کی جاذبیت، دلکشی اور معنی آفرینی سے محظوظ ہوسکیں:

☆

ہاتھ پھیلاتا نہیں غیروں کے آگے ہے بشیؔر
آپ کے در پر جھکا بس یہ گدا ہے یا رحیم

☆

بڑی تاخیر سے پہنچا میں اُس تک
قصور اِس میں مرا ہی سر بسر تھا

☆

در گُزر ہوں گی خطائیں ہے مجھے پورا یقین
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکین

☆

بشیرؔ اپنا ایماں نہ ہوگا مکمل
دلوں میں نہ ہو جب مُحبت نبیؐ کی

☆

کر بلا کے معرکے میں کچھ نہ تھا ذاتی مفاد
سر بُلندی دِین کی تھی غرض و غایت یا حُسینؑ

☆

جوانی میں کسی کی سر پرستی عینِ لازم ہے
کہ ایسے میں بہکنے کے بڑے اِمکان ہوتے ہیں

☆

بشیرؔ اِس زندگی میں چاہتا ہوں سب کو ہی یکساں
مری نظروں میں اِس دُنیا میں سب اِنساں ہوتے ہیں

☆

کبھی دست و گریباں ہونے سے کچھ بھی نہیں مِلتا
سُکونِ زندگی مِلتا ہے آپس کی محبت سے

☆

تُونے کوئی چوٹ کھائی ہے بشیرؔ
صاف ظاہر ہے ترے اشعار سے

جس زمانے میں ہم جی رہے ہیں
یہ زمانہ وفا شعار نہیں ہے

☆

مرا پوتا ہے میرا ہاتھ تھامے
بڑھاپے میں یہی میری چھڑی ہے

☆

نظر میں اُس کی میرا آشیاں سے
ہے بجلی کِس قدر بے تاب دیکھو

☆

زندگی ہے ایک بحرِ بیکراں
دور تک اس کا کوئی ساحل نہیں

☆

ترے دِل میں ہو اگر پختہ یقین
کام دُنیا میں کوئی مُشکل نہیں

☆

ہے ملاقات سے گریز اُسے
پھر بھی خوابوں میں روز آتا ہے

☆

بظاہر دیکھنے میں موم ہے وہ
مگر پھر بھی پگھلتا ہی نہیں ہے

☆

بہت مُشکل نپٹنا اِس سے ہوتا ہے بشیؔر اکثر
مسائل دیکھنے میں جو بڑے آساں ہوتے ہیں

☆

نہ سوچا تھا گُلستاں بھی جلے گا
جلائے برق نے جب آشیانے

☆

کچھ بھی کرسکتا نہیں اِنساں پھر
ٹوٹتا جب بھی خُدا کا قہر ہے

☆

اور سب کچھ ہے جہاں میں اے بشیرؔ
اِک نقطہ انسانیت نایاب ہے

☆

فقط تنہائی ہے حدِ نظر تک
یہ میری ہمسفر ہے اور میں ہوں

☆

غنیمت ہے اگر ہوں میں سلامت
لُٹیروں کا شہر ہے اور میں ہوں

☆

مِلتی ہیں ہم کو سزائیں بے حساب
یہ نہیں معلوم کیا الزام ہیں

☆

وہ بھلا کیسے رکھے گا دوسروں کا کچھ خیال
آپ جو اپنی حفاظت خود نہیں کر پاتے ہے

☆

لاتے ہیں دُنیا میں جو بھی اِنقلاب
اُن کا ہر اعجاز ہوتا ہے الگ

☆

مٹتا ہے بہر وطن جو ایسے بشیؔر
اُس کو خود پر ناز ہوتا ہے الگ

☆

بشیر صاحب کے حمد ونعت عشق وعقیدت سے لبریز ہیں اور روحانی تازگی عطا کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ پرتوِ خیال کا یہ شعری مجموعہ یہاں کے شعری منظرنامے میں ایک خوشگوار باب کا تعین کرے گا اور ادبی حلقوں میں اسے قدر کی نِگاہ سے دیکھا جائے گا۔

نیازمند
منشور بانہالی

☆......ڈاکٹر شاداب ارشد

روشن بین شاعر

شاعری کے لئے کوئی خاص زبان مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی شاعر ایک ہی زبان میں شعر کہنے کا پابند ہوتا ہے۔ بلکہ دُنیا کی اکثر زبانوں میں اُن کا اپنا اپنا شعری سرمایہ موجود ہے۔لیکن شاعری اوراس پراُردو زبان کا ذکر چلتا ہے تو تصوّر میں اُردو زبان میں شاعری کے شاندار پُرشکوہ ماضی کے کتنے ہی رنگین مراحل کی تصویریں آنکھوں کے سامنے گزرنے لگتی ہیں جن پر خود اُردو ادب کی تاریخ کو ناز ہے۔ اُردو شاعری کے آسمان سقف کو جو ستوں تھامے ہوئے ہیں اُن میں خدائے سخن میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ، مرزا مظہر جانِ جاناںؔ اور مرزا محمد رفیع سوداؔ جیسی قابل ذکر شخصیت کا نام ہی کافی ہے۔ اِن ہی جیسی شخصیات اپنا خونِ جگر جلا کے اُردو غزل کے چراغ کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اُردو شاعری کے تاریخی ادوار نے کتنی ہی اندھیری شامیں اور کتنے ہی روشن سویرے دیکھے ہیں، لیکن ہر دور میں اُردو ادب کا کوئی نہ کوئی چمکتا سورج رات

کے اندھیروں کو چیر کر امید کی نئی کرنیں پھیلاتا ہے۔ٹیکنالوجی کے اس جدید دور میں جہاں انسان سوچ سے پرے ترقی کے منازل کو طے کرتا چلا آرہا ہے وہیں کلاسیک زبانیں انحطاط کے دور سے گزر رہی ہیں بلکہ اُردو زبان وادب کے چراغ کی لو، دورِجدید کے چلتے تیز ہوا کے جھونکوں سے تھرتھراتی ہوئی نظر آرہی ہے مگر عصر حاضر میں بھی اُردو زبان و ادب سے محبّت رکھنے والے باذوق اشخاص اپنے اپنے ادبی شاہکاروں کا فانوس ہاتھ میں لئے اِس لو کی حفاظت کرتے ہوئے اُسے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ان ہی پاسدارانِ اردو زبان اورادب نوازوں میں ایک برجستہ بزرگ شاعر، جناب پیرزادہ بشیؔرالحق کا نام قابل ذکر بھی ہے اور لایق ستائش بھی۔جنہوں نے حال ہی میں اپنا پہلا اردو شعری مجموعہ ''پرتوِ خیال'' کے نام سے شائع کرانے کا اہتمام کیا ہے۔اس بات کا ذکر کرنا لازمی ہے کہ جناب بشیؔر صاحب ۲۰۱۷ء میں کشمیری زبان میں اپنا متصوفانہ شعری مجموعہ ''شمعِ عقیدت'' کے نام سے پہلے ہی شایع کرا چکے ہیں۔جس کو ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔اس شعری مجموعے کے مقدّمے میں جناب حق صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، ان کے عقایدوافکار پر سیر حاصل تبصرہ بھی شامل ہے۔

ایک مشہور قول ہے کہ آدمی اپنی تحریریوں سے پہچانا جاتا ہے۔بڑے ادیبوں اور شاعروں کی زندگی اور اُن کے کلام میں تفاوت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی تحریروں کے آئینے میں ہم اُن کی زندگی کی سچّی اور مکمل تصویر دیکھ سکتے

ہیں۔ اُن کی باتوں میں کوئی دکھاوا، نقالی یا بناوٹ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جیسا سوچتے اور محسوس کرتے ہیں اُسی کا اظہار شاعری میں بھی کرتے ہیں اور جب شاعری کی زبان میں یہ سچّائی اور خلوص پیدا ہوجاتا ہے تو اس شاعر کا کلام جاوِدان ہوجاتا ہے۔ اِن ہی سچّے شاعروں کی صف میں جناب بشیرؔالحق بھی اپنا مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے جس طرزِ عمل کی زندگی گزاری ہے، جن عقیدوں پر اُن کا ایمان اور یقین رہا ہے اور جن حالات وواقعات کا انہیں اپنی زندگی میں تجربہ ہوا ہے، وہی خیالات ہمیں ان کی شاعری میں بھی ملتے ہیں۔ اُن کی زندگی اور شاعری میں کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ دونوں ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عصر حاضر میں وہ کشمیری اور اُردو شاعروں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور اپنے کلام سے پہچانے جاتے ہیں۔

اُن کے مجموعۂ کلام کو وا کرتے ہی جن اشعار پر نظر ٹھہرتی ہے وہ حمد و نعت اور منقبت کے اشعار ہیں جو جذبہ وعقیدت کے گہرے رنگ میں رنگے ہوئے، والہانہ عشق کے عنبر و مُشک کے غالیہ دان سے نکلے ہوئے، ادب و احترام کی ڈالی پر کھِلے ہوے نازک پھول ہیں۔ عقیدت کے اس باغ و بستان کی گلچینی سے آپ بھی اپنی روح تازہ کیجئے:؎

آپ کا اسم مبارک ابتداء ہے یا رحیم
آپ کا ذکر مبارک انتہا ہے یا رحیم

آپ ہی کی ذات میں گُم ہیں مکان و لا مکاں
قبلہ بھی کعبہ بھی اور تحت وَ الثّریٰ یارحیم

آپ ہی کے دم سے روشن چاند تارے آفتاب
آپ ہی کا نُور پھیلا جابہ جا ہے یا رحیم

☆

رونق بزم جہاں لا الا الا للہ
خالق کون ومکاں لا الا الا للہ
کچھ نہیں تھا اس کے سِوا کچھ بھی نہیں اس کے سوا
سارا عالم نغمہ خواں لا الا الا للہ

اُن کے مجموعۂ کلام کا حاصلِ کلام ان کے کہے ہوئے نعتیہ اشعار ہیں جو انہوں نے حضرت شاہ لولاک جناب نبی پاکؐ کی شان مبارک میں نہایت عشق وعقیدت کے ساتھ کہے ہیں۔ نعتیہ کلام کا ایک اور شعر قاری کے وجود کو آپؐ کے عشق وعقیدت سے سرشار کرتا ہے اور ایمان کو تازگی بخشتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: ؂

ہوں سجدہ کناں اے بہارِ مدینہ
رسول خداؐ تاجدارِ مدینہ

ہے رشک جناں رہگذارِ مدینہ
رسولِ خداؐ تاجدارِ مدینہ

اے کاش مجھے ہو سکے دیدارِ مدینہ
اِک بار پھر سے دیکھ لوں انوارِ مدینہ

جتنے بھی اندھیرے ہیں چھٹتے ہی رہیں گے
دنیا میں قائم جب تلک انوارِ مدینہ

بشیؔر الحق صاحب کے صوفیانہ اشعار کا بڑا اعجاز یہ ہے کہ انہوں نے صوفیانہ شعر ضرور کہے ہیں لیکن ان کو پیچیدہ فسلفیانہ نکات سے بوجھل نہیں بنایا۔ بشیؔر صاحب نے وہی کیا ہے جو انہوں نے دیکھا اور محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری دل سے نکلتی ہے اور دل پر جا کر اثر کرتی ہے۔ اُس پر خاص بات جو ان کی شاعری اور زندگی دونوں پر نظر آتی ہے وہ یہ کہ دونوں ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ سادگی، سچائی، نفاست اور ایمان کی پختگی ان کی زندگی کا جزو ہیں۔ اس لئے اس تصویر کا عکس ان کے کلام میں نمایاں طور پر ابھر کے آتا ہے۔ جو ان کی شاعری کی اہم خصوصیات میں شامل ہیں: ؎

کیا بیان ہو مدحت خیرالبشر
چاہئے اس کے لئے خونِ جگر

میں کہاں اس پر میری اوقات کیا
خود خدا بھی آپؐ کے ہیں مدح گر

آپ کی عظمت کا ہو کیسے بیان
کون رکھے گا زبان تلوار پر

☆

وسیلہ مغفرت کا مانگنے آیا ہوں اس در پر
محبّت کا خزانہ باٹنے آیا ہوں اس در پر
سُنا ہے سارے عالم کے لئے ہیں سر بہ سر رحمت
وہ رحمت اپنی خاطر مانگنے آیا ہوں اس در پر

☆

حق صاحب کے مجموعۂ کلام کو پڑھتے ہی ذہن میں جس پہلی خصوصیت کا ادراک ہوتا ہے وہ اُن کا سیدھا سادھا، صاف اور شستہ اندازِ بیان ہے جس طرح انکا طرزِ زندگی سادہ رہا ہے ویسے ہی اُن کی شاعری میں بھی کسی قسم کی بناوٹ یا تکلف نظر نہیں آتا۔ خواہ وہ عشقیہ خیالات ہوں یا اخلاق وتصوّف کے دقیق مضامین، وہ انہیں ایسے آسان اور سادہ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ہر قاری کی سمجھ میں بخوبی آجائیں۔ اُن کے کلام میں سادگی کا یہ عنصر اُن کے درویشانہ اور فقیرانہ مزاج کے سبب آیا ہے۔ وہ ظاہری

دکھاوے سے بے نیاز ہو کر صرف دل کا کہنا کرتے ہیں۔اسی لئے انہیں کسی قسم کا تکلف اور بناوٹ پسند نہیں۔ یہ انداز اُن کی زندگی اور اُن کی شاعری دونوں میں نظر آتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:ـ

(ہمہ از اوست)

نظروں میں جب ہے تو ہی تو، کس کی یہ پھر تلاش ہے
جلوہ تیرا ہے چار سو کس کی یہ پھر تلاش ہے
پھولوں میں دلکشی تری، ان میں شگفتگی تیری
تو ہے ہمیشہ روبہ رو کس کی یہ پھر تلاش ہے
ترے بغیر دہر میں اٹھتا نہیں کوئی قدم
رہتا ہے سب کے ساتھ تو، کس کی یہ پھر تلاش ہے

☆

(تازدگی وجدّت)

رات ہے سورج بکھر جائے گا اب
ایسے میں کوئی کدھر جائے گا اب
تیرگی اندر بھی ہے باہر بھی ہے
آدمی تو خود سے ڈر جائے گا اب
ہے کہاوت بے حیا ہوتی ہے رات
سر سے پانی بھی گذر جائے گا اب

☆

(سادہ بیانی)

مرا دِل مطمئن ہے منتظر ہے　　سفر جو آخری پیش نظر ہے
جہاں پر سانس اٹکے ختم ہے یہ　　حکایت زندگی کی مختصر ہے
بھلا رختِ سفر کیا باندھتا میں　　خلوصِ دل ہے اور یہ چشم تر ہے

☆

جہاں تک اسلوب شعر کا تعلق ہے، رنگینی، بات کو بڑھا چڑھا کر اور معمّہ بنا کر پیش کرنا شاعروں کا عموماً شیوہ رہا ہے۔ لیکن بشیؔر صاحب کا کلام اس طرح کی پیچیدگی سے خالی ہے۔ اُن کے اشعار میں ایسے الفاظ شاز و نادر ہی دیکھنے کو ملتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ زبان سے مشکل سے ادا ہوتے ہیں بلکہ جو سننے میں بھی کانوں کو بھلے نہیں لگتے۔ ان کا کلام شروع سے آخر تک ایک طرح کی سیدھی سادھی اور دل میں اتر جانے والی شاعری ہے۔ کہیں پر بھی سقیل الفاظ کی بھر مار یا اونچ نیچ نہیں پائی جاتی۔ جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حق صاحب نے شاعری کو اپنا پیشہ نہیں بنایا ہے اور نہ ہی اپنے مجموعۂ کلام کو ضخیم تر بنانے کی غرض سے شعر کہے ہیں۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شعر تب ہی کہتے ہیں جب ان کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات ہوتی ہے۔ اسی لئے اُن کے یہاں بھرتی کے اشعار بہت کم ملتے ہیں۔ اُن کا مجموعۂ کلام مختصر تو ہے لیکن معنی کے اعتبار سے بہترین انتخاب ہے۔ مجموعۂ کلام سے یہ گلچینی

آپ کی نظر:ـ

مجھ پہ جب تک مہرباں ہے وہ نظر
کیا کرے گی گردشِ شام و سحر
جو کسی صورت میں نہیں ہیں معتبر
لوگ ہیں وہ مثل گردِ رہگذر

☆

دیرتک اپنی حکایت اس سے میں کہتا رہا
وہ خیالوں میں تھا کھویا میں اُسے تکتا رہا
بات دل کی میں دبے الفاظ میں کہتا رہا
سست رَو دریا کی مانند دور تک بہتا رہا

☆

اپنا ہو کر بھی نہ وہ اپنا لگے
کیا بتاؤں میں کہ مجھ کو کیا لگے
اب یہاں کوئی نہیں ہے ہم خیال
دل مرا اس بھیڑ میں تنہا لگے
آئینہ بھی اب نہیں سچ، بولتا
اجنبی سا اپنا اب چہرہ لگے

☆

بشیرالحق صاحب کی شاعری میں جو بات بار بار دہرائی گئی ہے اور جس بات کی خاطر شاعر کا دل مضطرب معلوم ہوتا ہے وہ حاوی موضوع انسانی ہمدردی ہے۔ آپ کی شاعری میں انسان دوستی اور انسانی ہمدردی کو نہ صرف اہم موضوع بنا کر بلکہ عصر حاضر کی ایک اشد ضرورت سمجھتے ہوئے تلقین کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ انسانی ہمدردی کے مختلف تقاضوں کو حق صاحب نے اپنے سادہ اندازِ بیان میں جدّت کے ساتھ، عصر حاضر کے اس انسان تک پیغام پہنچانے اور اس سے جھنجھوڑنے کی پُر اثر کوشش کی ہے جو

انسان، انسانی ہمدردی کے مطلب سے کوسوں دور ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے حضرت سعدیؒ کا یہ شہرۂ آفاق شعر یاد آ رہا ہے:

تو کز محنت دیگران بی غمی نشاید کہ نامت نھند آدمی

(تو کہ جو دوسروں کے غم سے بے غم و بے پرواہ ہے۔ تو انسان کہلانے کے لایق نہیں ہے)

اس موضوع کو حق صاحب نے کتنے بہترین انداز میں بیان کیا ہے، شعر پڑھ کے داد دیجیے:

جو آئیں دوسروں کے کام وہ انسان ہوتے ہیں
اگر ایسا نہیں تو سر بہ سر حیوان ہوتے ہیں

☆

وہ بشر جس میں خلوصِ دل نہیں
میری نظروں میں کسی قابل نہیں
دوسروں کا غم نہیں کرتا اثر
آپ کے پہلو میں شاید دِل نہیں

☆

جلا کر اپنے ہی گھر کو کریں جو دور ظلمت کو
جہاں میں لوگ ایسے باعثِ صد ناز ہوتے ہیں

☆

دوسروں کے کام جو بھی آئے گا — زندگی بھر وہ دعائیں پائے گا
اس کی قدروں سے رہے گا دور جو — زندگی سے وہ بشر کٹ جائے گا

☆

نفرتیں سب تمام کر لینا — زندگی میں یہ کام کر لینا
کام آنا غریب لوگوں کے — خود کو یوں شاد کام کر لینا
ہر کسی کو لگانا سینے سے — کم سے کم اتنا کام کر لینا

☆

بڑا مذہب فقط انسانیت ہے — یہ نکتہ سب کو سمجھانا پڑے گا

☆

محبت اب کہاں جانے ہے انسان — اسے انسانیت پیاری نہیں ہے
بشر زندہ رہے اوروں کی خاطر — یہاں باقی وہ دلداری نہیں ہے

☆

یہ وہ دَور ہے جس میں ہے ہر شے کی فراوانی
فقط انسان میں انسانیت کم یاب ہوئی ہے

☆

بشیؔر الحق صاحب کے یہاں حرف عشق و محبت کے مضامین ہی نہیں ملتے بلکہ انہوں نے اخلاقی نصیحتوں کو شاعرانہ پیرایہ میں ڈال کر یہ پیغام پہنچانے کی بھی سعی پیہم کی ہے کہ اعلیٰ اخلاق کو اپنا اشعار بنا کے، زندگی بہتر

بنائی جائے۔ چونکہ بشیؔر صاحب بنیادی طور پر ایک صوفی شاعر ہیں، ان کی زندگی کا مقصد ہی لوگوں کی درست سمت میں رہنمائی کرنا ہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں ان ہدایتوں کا جا بہ جا اظہار ملتا ہے کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے محبت کرنی چاہیئے اور کن سے بچنا ضروری ہے:

یقین پختہ، نظر پاکیزہ، محبّت سے بھرا دل
جہاں میں کامیابی کے یہی سامان ہوتے ہیں

☆

بات میں شامل نہ جب تک ہو خلوص
دِل پہ ہوتا ہی نہیں اس کا اثر

☆

جو اپنی زندگی میں ہوتے ہیں کردار کے سچّے
حقیقت ہے کہ دنیا میں وہی ممتاز ہوتے ہیں

☆

جب کوئی دستِ طلب پھیلائے گا
زندگی میں جیتے جی مر جائے گا

☆

نہ اشکوں سے نہ آھوں سے نہ انسان کی بغاوت سے
بدل جاتی ہیں تقدیریں عمل سے عبادت سے

شاعری کو مصوّری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔جس طرح ایک مصوّر کسی دلچسپ منظر یا کسی خاص کیفیت کا عکس رنگوں میں قید کر کے تصویر بنا کر پیش کرتا ہے اسی طرح ایک شاعر بھی اپنے مختلف جذبات، احساسات، محسوسات و کیفیات کو شعر و سخن کی تصویر بنا کر کے پیش کرتا ہے۔لیکن دونوں تصویروں میں یہ فرق ہے کہ مصوّر کو اپنے تصوّر کی تصویر، فکر کی دنیا سے نکال کر، حقیقت کے سانچے میں ڈالنے کے لئے رنگ، برش، کاغذ اور دوسری چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جبکہ شاعر اپنے تصوّر کو صرف الفاظ کے ذریعے سے پیش کرتا ہے کہ سُننے والوں کی نظر میں ہی تصویر کھچ جاتی ہے۔ شاعر کی تخلیق کی ہوئی یہ تصویر مصوّر کی تصویر سے زیادہ مکمل ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مصوّر صرف مادی چیزوں کی تصویریں بنا سکتا ہے۔انسان کے دل و دماغ میں بسنے والے جذبات و محسوسات کی مکمل عکاسی تصویر میں ظاہر نہیں کرسکتا۔اس لئے شاعری کو دوسرے فنوں پر فوقیت حاصل ہے۔شاعر کا درجہ جس قدر اعلیٰ و ارفع ہوگا، اسی کی تخلیق کی ہوئی تصویر حقیقت و اصلیت کے قریب تر ہوگی۔حق صاحب کی شاعری میں بھی ہمیں جگہ جگہ ایسے اشعار ملتے ہیں جو کسی خاص کیفیت یا حالت کی سچّی اور پُر اثر تصویریں ہیں:

☆

غموں میں ڈوبی صدائیں کہاں سے آتی ہیں
یہ سوگوار ہوائیں کہاں سے آتی ہیں

دعائیں دیتے ہیں ہم ہر کسی کو جینے کی
تو مرنے کی یہ صدائیں کہاں سے آتی ہیں

نہیں ہے کوئی بھی محفوظ ان سے دنیا میں
یہ بگڑی بگڑی فضائیں کہاں سے آتی ہیں

☆

نظر میں اس کی میرا آشیاں ہے
ہے بجلی کس قدر بے تاب دیکھو

نظر محدود ہے موج رواں تک
تلاطم ہے جو زیر آب دیکھو

☆

بشیر الحق صاحب کے مجموعۂ کلام میں شہرِ آشوب کے طرز پر کہے گئے بہت سے اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں جن سے صاف جھلکتا ہے کہ ارضِ کشمیر کے تباہ کُن حالات نے ان کے دِل کو کس قدر مجروح کیا ہے۔ظاہر ہے جس شخص کی آنکھوں کے سامنے خون کے دریا بہہ رہے ہوں، لوٹ مار کا بازار گرم ہو، انسان کا خون پانی سے زیادہ سستا ہو، عزّت خاک میں مل رہی ہو، ہمدردی اور محبت کا قحط پڑا ہوا ہو، اس کا حساس دِل ان الم ناک حالات پر خون کے آنسو روتا ہے۔اوراس دردوالم کی وجہ سے اُس کے دل سے جو آہ

نکلتی ہے وہ ہمیں کبھی فریاد تو کبھی دعا بن کر ضرور سنائی دیتی ہے:

☆

تعصب کے سایئے میں پلتے رہے ہیں
سیاست کے خانوں میں بٹتے رہے ہیں
نہ جانے کہاں سے یہ آئی ہے نفرت
محبّت کو ہم سب ترستے رہے ہیں
بشیؔر اہلِ دنیا میں کس سے کہیں ہم
یہ کس آگ میں ہم جھلستے رہے ہیں

☆

میرے ہونٹوں پر ہے بس اتنی دُعا
رحم کر وادی پہ اے میرے خدا
دشمنی پر جو بھی ہے مائل یہاں
ایسے ہر اِک شخص کو انسان بنا
اس پہ برسیں رحمتوں کی بارشیں
چھائی ہے جو ہر جگہ غم کی گھٹا
پھر پلٹ آئے یہاں امن و امان
پھر جہنم زار کو جنّت بنا

☆

مدّتوں سے رہ رہے ہیں ہندو اور مسلم یہاں
آگ نفرت کی وطن میں کون یہ بھڑکائے ہے

☆

چہروں پہ باقی ہی نہیں اب وہ بشاشت
اس شہر میں سہمے ہوئے انسان بہت ہیں

☆

آگ بھڑکی وہ گُل گُلزار سے
شور اٹھا کوچہ و بازار سے

آپ کو ہر چیز پر ہے اختیار
میں کہوں تو کیا کہوں سرکار سے
آ گئے ہیں زندگی میں ایسے دن
سستا ملتا ہے لہو بازار سے
عین ممکن ہے کہ آئے انقلاب
آ رہے ہیں کچھ نظر آثار سے

☆

جہاں لٹتی ہے عصمت اور غیرت بکتی رہتی ہے
مناظر زندگی کے ایسے عبرتناک ہوتے ہیں

☆

ہمارا سماج جو صدیوں سے مشرقی اخلاقی روایتوں اور اسلامی اقداروں اور قدروں کا آئینہ سار رہا ہے مغرب کی تقلید اور اندھی پیروی کی لپیٹ میں بُری طرح سے آتا جا رہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عہد حاضر میں انسان کو جس قدر مادی استحکام حاصل ہوا ہے اس سے کئی گنا زیادہ اخلاقی پستی نے بھی ہمارے سماج کو اندھیروں کی طرف دھکیل دیا ہے۔ تقلیدِ غیر سے جہاں اپنے اخلاقی اقدار کا بیڑا غرق ہو رہا ہے وہیں ایک ایسی تہذیب کی ترویج ہو رہی ہے جو نہ صرف دین اسلام کے سراسر منافی ہے بلکہ انسانی فطرت سے بھی کسی طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق صاحب کی حساس طبیعت ہمارے سماج کی بدلتی روایتوں اور بے حیائیوں کی خاطر بے چین نظر آتی ہے اور وہ اس نئی روش و تقلید کو اپنانے والوں کو اس بات کا احساس دلانے کے لئے شعر کا سہارا کچھ اس طرح لیتے ہیں:

کس طرف جا رہا ہے میرا سماج جس طرف دیکھیں بے لباسی ہے
شرم کے نام کا نہیں کچھ بھی بات جو بھی ہے بے حیا سی ہے

☆

دُور ہے انسان سے شرم و حیا کیا نئی تہذیب کی یہ لہر ہے
اب کہاں وہ سادگی و خوشدلی اب تو جو بھی گاؤں ہے وہ شہر ہے

☆

چلیں ہم بزرگوں کے نقشِ قدم پر زمانے میں اب یہ روایت نہیں ہے

☆

قدم یہ ڈگمگاتے جا رہے ہیں بڑی ویران ڈگر ہے اور میں ہوں

☆

بشیر الحق صاحب کے مجموعۂ کلام میں درج اشعار کو پڑھنے کے بعد ہر قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ اشعار انتہائی سادہ اور سہل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت دلکش اور تاثیر سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں بے رنگی اور پھیکا پن نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی بناوٹ ہے یا سجاوٹ۔ نہ مشکل الفاظ ہیں اور نہ ہی نئی نئی ترکیبوں کا الجھاؤ، مگر اندازِ بیان ایسا انوکھا، پُر اثر، خلوص اور سچائیً سے بھرا ہوا، کہ منہ سے بے ساختہ واہ نکل آتا ہے۔ ندرت بیان کے ساتھ ساتھ سادگی اور صفائی ہی ان کی شاعری کی عمدہ خصوصیات ہیں۔

اس عظیم المرتب انسان اور شاعر کی شعری عظمت کے بارے میں لکھنے سے، لکھنے والے کا قلم فخر محسوس کرتا ہے اور مزید لکھنے کی آرزو رکھتا ہے۔ مگر تحریر کے ضوابط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں ان دعائیہ الفاظ سے اپنی بات کو مختصر کر رہا ہوں کہ اللہ ذوالجلال جناب پیرزادہ بشیر الحق صاحب کو صحت و سلامتی عطا فرمایئے اور نورِ ایمان و نورِ عرفان سے ان کے دل کو منوّر فرماتا رہے تاکہ ہم اُن کے ایمان افروز کلام کی مزید توقع بھی رکھیں اور پڑھنے کا

شرف بھی حاصل کرسکیں۔ میں عمق قلب سے حق صاحب کو ان کے مجموعۂ کلام کو شایع کرانے اور قرائین حضرات کی رسائی تک پہنچانے کے لئے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بشیرؔ الحق صاحب کے ہی اس شعر کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

بشیرؔ اشعار تیرے کیا کہیں ہم
کہ دِل کی ترجمانی ہوگئی ہے

تحت بالخیر
ڈاکٹر شاداب ارشد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، کشمیر یونیورسٹی

بِسم الله الرَّحمٰنِ الرَّحِیُمْ

آپ کا اسمِ مُبارک اِبتداء ہے یا رحیم
آپ کا ذِکر مُبارک اِنتہا ہے یا رحیم

آپ کی تخلیق ہے سارا نِظامِ کائنات
ایک لفظ 'کُن فکان' جب ہی کہا ہے یا رحیم

آپ ہی کی ذات میں گُم ہیں مکان و لا مکاں
قبلہ بھی کعبہ بھی اور تحتُ والثّریٰ ہے یا رحیم

آپ ہی کے دم سے روشن چاند تارے آفتاب
آپ ہی کا نور پھیلا جا بہ جا ہے یا رحیم

ہو نہیں سکتا طبیبوں سے کبھی میرا علاج
آپ کی چشمِ کرم میری دَوا ہے یا رحیم

مانگنے ہی کا سلیقہ ہم نہیں رکھتے مگر!
آپ کا اِسمِ گرامی ہی دُعا ہے یا رحیم

ہاتھ پھیلاتا نہیں غیروں کے آگے ہے بشؔر
آپ کے دَر پر جھُکا بَس یہ گدا ہے یا رحیم

رونقِ بزمِ جہاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ
خالقِ کون ومکاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ

کچھ نہ تھا اُس کے سوا کچھ نہیں اُس کے سِوا
سارا عالم نغمہ خواں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ

بحر و بر کوہ و دمن وادیاں دریا پہاڑ
چاند تارے کہکشاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ

شرف مٹی کو ملا جو خاک کا پُتلا بنا
جان ڈالی، دِی زُباں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

عِلم اِنساں کو دِیا حاصل کسی کو بھی نہ تھا
حیراں تھے کروبَیاں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

سر بہ سجدہ سَب ہوے آدم کے آگے جھک گئے
رک گیا ابلیس داں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

دُنیا میں بھیجے بارہا پیغمبرانِ باوَقار
سب کے تھا وردِ زباں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

دُنیامیں ختم المرسلین بھیجے شہ دُنیاو دین
آئے وہ لیکرقراں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

سلسلہ قُدرت کا ہے لا اِنتہا کِتنا بشیؔر
میں کروں کیا کیا بیاں لَا اِلا اِلا الــــلـــــــه

هم تو اپنی زِندگی کے غم بُھلا کر آئے ہیں
در پہ جب سے آپ کے یہ سر جھُکا کر آئے ہیں

آپ ٹھہرے لا شریک و لا زمان و لا مکان
آپ کی تعریف ہونٹوں پر سَجا کر آئے ہیں

ہر گھڑی ہوں ہم کو حاصل آپ کے لُطف و کرم
آرزو ہم اپنے دِل میں یہ بَسا کر آئے ہیں

آپ کی رحمت سے دُھل جائیں گے جو بھی ہیں گُناہ
سنگِ دَر کو چوم کر ہم یہ دُعا کر آئے ہیں

ہم نے جتنی کی خطائیں اب وہ ہوں ساری معاف
بس یہی اُمید ہم دِل میں لگا کرآئے ہیں

آپ کے در پر رہیں ہر لمحہ ہم سجدہ گُناں
زندگی ایسے کٹے ہم یہ دُعا کر آئے ہیں

کون سا نذرانہ لاتا آپ کی خاطِر بشیؔر
اِک محبت آپ کی دِل میں بَسا کر آئے ہیں

(زیارت کعبہ شریف)

نزدیک تر ہے روزِ جزا دیکھئے کیا ہو
کب غیب سے آتی ہے نِدا دیکھئے کیا ہو

کچھ بھی نہیں ہے فرق کوئی اُس کی نظر میں
یکساں ہیں وہاں شاہ گدا دیکھئے کیا ہو

اُمید لئے بیٹھے ہیں ہر لمحہ یہ اُس سے
ہوگی نظر انداز خطا دیکھئے کیا ہو

ہم لے کے توقع یہی اِس در پہ آئے ہیں
بیماروں کو ملتی ہے شفاء دیکھئے کیا ہو

مدّت سے یہی سُنتے آئے ہیں ہم اُس کے یہاں سے
ہوتی ہے اُس کی سب پہ عطا دیکھئے کیا ہو

یہ سوچتے ہیں دل کو کہاں چین ملے گا
بگڑی جو ہے وادی کی فضاء دیکھئے کیا ہے

ہے دل میں بشیرؔ اپنے یہاں دردِ محبّت
ہم ڈھونڈتے ہیں اس کی دوا دیکھئے کیا ہو

(مکتہ المکرّمہ شریف میں)

جہاں سر جھک گیا وہ اُس کا در تھا
یہ اُس کے عشق کا مجھ پر اثر تھا

نہ تھا میں جادۂ منزل سے واقف
جنون میرا ہی میرا راہ بر تھا

طوافِ کعبہ کروایا اُسی نے
میرے ہمرہ مرا لختِ جگر تھا

نہ جانے کس طرح پہنچا وہاں میں
ہوا معلوم یہ تو اُس کا گھر تھا

کہاں تھا ناتوانی میں یہ ممکن
اگر پہنچا تو یہ اُس کا ہُنر تھا

بڑی تاخیر سے پہنچا میں اُس تک
قصور اِس میں مرا ہی سربسر تھا

نظر میں بس گئے تھے نقش اِس کے
کہ دل میں وہ برابر جلوہ گر تھا

بشؔیر اُس کا تہہِ دِل سے ہوں ممنوں
وہ جو ہر لمحہ میرا ہم سفر تھا

(زیارت کعبہ شریف)

وہ مرے وہم و گماں سے دور ہے
اِس زمین و آسماں سے دور ہے

اِس پہ بھی اُس کی مہک ہے چار سو
مانتا ہوں وہ یہاں سے دور ہے

وہ تو بیٹھا ہے رگِ جاں کے قریب
اِس پہ بھی میرے گُماں سے دور ہے

نغمۂ توحید اُس کا دَہر میں
پھر بھی کہتے ہیں جہاں سے دُور ہے

اُس کے بارے میں کہوں تو کیا کہوں
داستاں اُس کی بیاں سے دُور ہے

غیر ممکن ہے بہار آئے کہیں
جب وہ دل کے گُلِستاں سے دُور ہے

کیا پتہ اُس کا بتاؤں اے بشیرؔ
وہ مکان و لا مکاں سے دُور ہے

۞

میری منزِل ہے کہاں اِتنا بتا دے مُجھ کو
اے خدا حق کی ہے جو راہ وہ دِکھا دے مُجھ کو

ہے تمنّا یہ کہ آؤں دُوسروں کے کام میں
اور ایسا زندگی میں تو بنا دے مُجھ کو

وہ سفینہ ہوں جو زیرِ آب ہے طوفان میں
اور اِس طوفاں سے اب پار لگا دے مُجھ کو

کیا کہوں سرِ زد ہوئے ہیں کس قدر مُجھ سے خطا
ہے تری مرضی بخش دے یا سزا دے مُجھ کو

یہ ضروری ہے رہیں مُجھ پہ ترے لُطف و کرم
جس طرح سے بھی ہو اِک اِنساں بنا دے مُجھ کو

ہے فقط اِتنی تمنّا مرے دِل کی اے کریم
جلوہ انوارِ محمدؐ کا دِکھا دے مُجھ کو

خدمتِ خلق میں گُذرے یہ زندگی اے بشیرؔ
دینا چاہے جو فقط اِتنی دُعا دے مُجھ کو

حاضر حرم میں ہونے کی ہو پھر مجھے اِجازت
مولا میرے نصیب میں اِس کی ہو پھر زیارت

ہے میری یہ گزارش کرے قبول مولا
حاصل طوافِ کعبہ کی پھر ہو مجھے سعادت

کیسے کہوں کہ دِل میں مُدّت سے ہے یہ ارماں
اُس گھر کے سامنے میں اُس کی کروں عبادت

سارے گناہ دُھلتے ہیں اُس کی زندگی کے
ہوتی ہے جِس کسی پر کبھی آپ کی عنایت

لاکھوں کی بھیڑ میں بھی ہے اطمِنان سب میں
ہوتی نہیں کسی کی کسی سے کوئی شکایت

عظمت حرم کی ہے یہ حُرمت حرم کی ہے یہ
ہوتی نہیں کسی بھی شے میں یہاں خیانت

ڈرتا ہوں ناتُواں ہوں پر حق ہے اے بشیؔر
کمزور ہیں جو اُن کو مِلتی یہاں ہے طاقت

بیاں کیا ہو الفاظ میں شان اُن کی
خدا جانتا ہے حقیقت نبیؐ کی
بشیرؔ اپنا ایمان نہ ہوگا مکمل
دِلوں میں نہ ہو جب محبت نبیؐ کی

(بشیرؔ)

آپؐ کو ربّ نے پُکارا رحمتہً للعالمین
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

ہیں بلا شک آپؐ ہی محبوبِ ربّ العالمین
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

آپ ہیں سردار سب کے آپ ہی سالارِ دین
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

راز قدرت کے ہیں جو بھی آپؐ ہیں ان کے امین
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

آپؐ کی طاعت کرے جو پائے گا خُلد بریں
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

دَر گُذر ہوں گی خطائیں ہے مجھے پورا یقیں
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

آپ کے در پر ہے آیا دِل شکستہ یہ بشؔیر
سبز گُنبد کے مکیں اے سبز گُنبد کے مکیں

یاد ہے سب کو محبّت آپؐ کی
وہ سخاوت اور شفقت آپؐ کی

آپ کا طرزِ بیاں طرزِ عمل
مشعلِ رَہ ہے ہدایت آپؐ کی

آپؐ ہیں اللہ کے پیارے نبیؐ
سب سے افضل ہے نبوّت آپؐ کی

نور سے پیدا کیا ہے آپؐ کو
تھی جو اُس کو بھی ضرورت آپؐ کی

ہے کسی کو بھی نہیں حاصل یہاں
حُسنِ صورت حُسنِ سیرت آپؐ کی

آپؐ کا پیغام اَمن و آشتی
سب پہ ہے یکساں یہ رحمت آپؐ کی

بخشتے تھے دُشمنوں کو دِل سے آپؐ
تھی ہمیشہ سے یہ عادت آپؐ کی

ایک اللہ کی عبادت سب کریں
تھی بشیؔر ایسی ہدایت آپؐ کی

ہوں سجدہ کُناں اَے بہارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ
ہے رشکِ جناں رہگُذارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ

کھِلا پھُول کیسا ہے صحرا میں دیکھو
نہیں کوئی ثانی ہے دُنیا میں جسکا
مشرف ہوا ہے دیارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ

ہُوے جب تولد دو عالم کے آقاؐ
اندھیروں میں جیسے اُجلا ہو آیا
منّور ہُوے کُوہسارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ

مُنّور زمین آسماں ہوگیا ہے
ضیا پاشِیاں جن پہ عالم فِدا ہے
ہوے تیرے عاشق نِثارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ

بشّیرؔ اُنؐ کا رُتبہ نہایت ہے عالی
ہے اِسلام کی جِس نے بنیاد ڈالی
ہے شق القمر یادگارِ مدینہ
رسولِ خُداؐ تاجدارِ مدینہ

وسیلہ مغفرت کا مانگنے آیا ہوں اِس دَر پر
محبّت کا خزانہ بانٹنے آیا ہوں اِس دَر پر

خُدا نے آپؐ کو اِذنِ شفاعت سے نوازا ہے
یہی خیرات میں بھی مانگنے آیا ہوں اِس دَر پر

سُنا ہے سارے عالم کے لئے ہیں سر بہ سر رحمت
وہ رحمت اپنی خاطر مانگنے آیا ہوں اِس دَر پر

میں اپنی زندگی کے سب گناہوں پہ ہوں شرمندہ
میں تبریکِ شفاعَت مانگنے آیا ہوں اِس دَر پر

زُباں سے کچھ بھی کہہ سکتا نہیں ہوں اے بشیرؔ لیکن
میں دِل کا دَرد سارا بانٹنے آیا ہوں اِس دَر پر

اے کاش مجھے ہو سکے دیدارِ مدینہ
اِک بار پھر سے دیکھ لوں اَنوارِ مدینہ

منظر ہے اُس کا جو بھی ہے تعریف کے قابل
ہے دنیا سے کچھ مختلف بازارِ مدینہ

اعمال میرے جیسے ہوں کرنا نظر انداز
اِتنی ہے میری التجا سرکارِ مدینہ

مِلتی ہیں اس سے ہر کسی کو راحتیں دِل کی
ہے روضۂ اطہر بھی اِک شاہکارِ مدینہ

جتنے بھی اندھیرے ہیں چھُٹتے ہی رہیں گے
دُنیا میں قائم جب تلک انوارِ مدینہ

وہ جِسم کی صورت ہو یا ہو روح کی صورت
ہر لمحہ میں کرتا رہوں دیدارِ مدینہ

کچھ بھی نہیں ہے اور بشیؔر آرزُو میری
مرنے سے پہلے پھر سے ہو دیدارِ مدینہ

اے شہہ جُود و سخا السلام و السلام
اے صاحبِ صبر و رضا السلام و السلام
اے پیکر صدق و صَفّا السلام و السلام
اے تاجدارِ انبیا السلام و السلام

نُورِ حق نُورِ رِسالت آپؐ ہیں
مشعلِ راہ ہدایت آپؐ ہیں
مرکز لطف و عنایت آپؐ ہیں
اے مظہرِ نُورِ خدا السلام و السلام

درس مساوات کا سب کو دیا
ظلمتوں کو ختم ہے یکسر کیا

مُفلِسوں کو بُولنے کا حق دیا
اے رحمتِ عالم پناہ السلام و السلام

کیا بیاں ہو اُنؐ کی شان
جِن کا رُبّ ہو مدح خوان
وہ ہیں خدا کے راز دان
اے شئہ ہر دو سرا السلام و السلام

حوضِ کوثَر سے بھی پِلوائیں گے آپؐ
گنہ گاروں کو بچا لائیں گے آپؐ
روزِ محشر میں بھی چھڑوائیں گے آپؐ
اے شافعِ روزِ جزا السلام و السلام

ہیں بشیؔر وہ مصدرِ انوارِ حق
آپؐ ہی ہیں مظہرِ اَسرارِ حق
آپؐ ہی ہیں بے بدل شاہکارِ حق
اے منبعٔ کرم و عطا السلام و السلام

نعت

مالکِ کُل کی عِبادت ہے اِطاعت آپؐ کی
دین و دُنیا کی سعادت ہے محبّت آپؐ کی

حشر کے دِن ہم بھی ہوں گے دیکھ لینا سُرخ رُو
عام جب ہوگی اِجازت سے شفاعت آپؐ کی

آپؐ کے حُسنِ بیاں کا ہے زمانہ مُعتَرِف
وہ فصاحت آپؐ کی اور وہ بلاغت آپؐ کی

جنگ کے میداں میں طرزِ عمل وہ بے مِثال
آپؐ کا شوقِ شہادت اور شجاعت آپؐ کی

ضوفشاں اب تک جہاں میں ہیں خطاباتِ آپؐ کے
وہ وضاحت آپؐ کی اور وہ اِمامت آپؐ کی

مُطمین تھے غیر مسلم بھی ہر اِک اِنصاف سے
وہ مُبنّی بر صداقت تھی عدالت آپؐ کی

آپؐ کو دُشمن بھی کہتے تھے اَمانت دار سب
مُستند تھی وہ شرافت اور دِیانت آپؐ کی

دُشمنِ جانی کو بھی تو معاف کر دیتے تھے آپؐ
شہرہٗ آفاق تھی رحمت مُرّوَت آپؐ کی

اے بشؔیر اِس کا یقیں ہے بخش ہی دَے گا خُدا
ہو اگر نظرِ عنایت اور وصالت آپؐ کی

کیا بیاں ہو مَدحتِ خیرالبشرؐ
چاہیئے اس کے لئے خُونِ جگر

میں کہاں اس پر مری اَوقات کیا
خود خُدا بھی آپؐ کے ہیں مدح گر

آپؐ کی عظمت کا ہو کیسے بیاں
کون رکھے گا زباں تلوار پر

حرفِ اِسریٰ کی کریں تفسیر کیا
ہیں تذبذب میں پڑے سب دیدہ وَر

ہیں خُدا کے بعد محرم آپؐ کے
بس علیؓ عثمانؓ ابوبکرؓ و عُمرؓ

ایک جانب دُشمنوں کی فوج تھی
اِک طرف تھے غار میں تنہا بشر

کوہساروں میں اذاں ہونے لگی
مِٹ گیا مہمل عقیدوں کا اثر

نِکلا جب سے رحمتوں کا آفتاب
ہر طرف توحید کی اُٹھی لہر

لااِلا سے آشنا کب تھے بشرؔ؟
آپؐ نے توحید کی لائی خبر

کہاں ہے کسی میں شجاعت نبیؐ کی
کِسی میں نہیں ہے صداقت نبیؐ کی

وہ خود بھوکا رہ کر کھلانا ہر اِک کو
ہے مشہور اَب تک سخاوت نبیؐ کی

یہ حُسنِ بیاں کی کرامت تھی پھیلی
زمانے میں ہر سو شریعت نبیؐ کی

وہ تہجد میں پُورے قرآں کی قرأت
جُدا سب سے تھی وہ ریاضت نبیؐ کی

خُدا کی عبادت کا ہے فرض سب پر
یہی تھی یہی تھی ہدایت نبیؐ کی

خُدا ہی کا پیغام لے کر وہ آئے
مگر ہم پہ لازم ہے طاعت نبیؐ کی

بیاں کیا ہو الفاظ میں شان اُنؐ کی
خُدا جانتا ہے حقیقت نبیؐ کی

بشیؔر اَپنا اِیمان نہ ہوگا مُکمّل
دِلوں میں نہ ہو جب محبّت نبیؐ کی

سارے جہاں میں واحِد وہ میرِ کارواں ہیں
اللہ کے ہیں پیمبر اور صاحبِ قراں ہیں

جن کو ہے حق نے اپنے اوصاف سے نوازا
وہ راہ بر ہمارے اور ہادیٔ زَماں ہیں

یہ بات صاف ظاہر ہے حدیثِ پاک سے بھی
محبوب ہیں خُدا کے اور اُس کے رازداں ہیں

ممکن نہیں بیاں ہو لفظوں میں وہ حقیقت
جب خود خدائے بَرتَر اُن ہی کے مدّح خواں ہیں

جِن کا نہیں ہے کوئی ایسوں کی آس ٹھہرے
نہیں اس میں شک کوئی کہ وہ سب پہ مہرباں ہیں

جو کہہ رہے ہیں ''وہ تھے'' اُن کو ہم کیا بتائیں
وہ جانِ عاشقاں ہیں اُمّت پہ مہرباں ہیں

جب معترض ہو کوئی اُس سے بشیؔر کہنا
محشر میں سربسر وہ اُمیدِ عاصیاں ہیں

۞

قرضِ اُمّت سربسر ہے یہ شہادت یا حسینؓ
مِٹ نہ پائے گی جہاں سے یہ شجاعت یا حسینؑ

''سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھُکا سکتے نہیں''
آپؓ سے قائم ہوئی ہے یہ روایت یا حسینؑ

بھوکے پیاسے رہ کے بھی تھے سربکف میدان میں
کیسے بھولے گا زمانہ یہ کرامت یا حسینؑ

کربلا کے معرکے میں کچھ نہ تھا ذاتی مفاد
سر بلندی دین کی تھی غرض و غایت یا حسینؑ

آپؑ نے جاں دے کے قائم کی ہے اِک زِندہ مثال
پرچمِ اِسلام کی ہے کی حفاظت یا حسینؑ

سب کے ہونٹوں پر برابر تذکرہ ہے آپؑ کا
بس گئی ہے سب کے دِل میں یہ محبّت یا حسینؑ

کیا خبر کیا مَصلِحت تھی اُس خُدا کی اے بشیؔر
ورنہ ممکن ہی نہیں تھی یہ ہلاکت یا حسینؑ

سر کٹا کر کربلا میں اہلِ حق ہنستے رہے
اہلِ باطل ہیں برابر عمر بھر روتے رہے

ظلُم اور انصاف کا یہ باہمی ٹکراؤ تھا
دیکھنے والوں کے آنسو دیر تک بہتے رہے

وہ نواسے مصطفےٰؐ کے جنگ کے میدان میں
پانی کے بدلے ہیں اپنا خونِ دِل پیتے رہے

پانی کی خاطر ترس کر رہ گئے سب شیر خوار
اور اُن کے والدین تو اپنی جاں دیتے رہے

دیکھ کر یہ حوصلہ دشمن تھا حیراں کس قدر
اللہ اکبر مرتے دم تک اہلِ حق کہتے رہے

کس قدر پختہ تھا ایماں تھا صداقت پر یقین
مرحبا اُن پر خوشی سے جان جو دیتے رہے

ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے دُنیا میں بشیرؔ
کیا کہیں ہم حق پرستوں کے ہیں سر کٹتے رہے

زُباں پر تذِکرہ شام و سحر حسینؓ کا ہے
تمام دُنیا کے دل پر اثر حسینؓ کا ہے

جو راہِ حق پر مسلسل سفر حسینؓ کا ہے
یہی سبب ہے کہ ہر دِل میں گھر حسینؓ کا ہے

یہ رہ گیا ہے زمانے میں داستاں بن کر
اگرچہ ذکر بڑا مختصر حسینؓ کا ہے

قدم قدم یہاں بکھرے ہیں خون کے چھینٹے
یہ ذہنِ کربلا میں ہم سفر حسینؓ کا ہے

وہ شخص زندگی پہ اپنی کیوں نہ ناز کرے
نصیب جس کو غمِ معتبر حسینؓ کا ہے

بشؔیر کانپتی ہے روح دیکھ کر جس کو
نظارا ایسا اِک پیش نظر حسینؓ کا ہے

یہ نالے نیم شب کے سربَسر ایمان ہوتے ہیں
حقیقت ہے کہ عقبٰی کا یہی سامان ہوتے ہیں

حسین گھر ہو حسیں ہمدم فراوانی ہو دولت کی
کوئی بھی دِل ہو تو اس میں یہی ارماں ہوتے ہیں

جوانی میں کسی کی سرپرستی عین لازم ہے
کہ ایسے میں بہکنے کے بڑے اِمکان ہوتے ہیں

نہیں جب اختیار اِنسان کا حالات پر کوئی
کئی آباد گھر اِک لمحہ میں ویران ہوتے ہیں

وہ جن کے ہونٹوں پر ہو مُسکراہٹ کم ہیں دُنیا میں
بڑی تعداد میں ہیں غم میں جو غلطان ہوتے ہیں

نہ تم خاموش لہروں سے لگانا کوئی اندازہ
کہ اِن خاموش لہروں میں کئی طوفان ہوتے ہیں

وفا پرور جنہیں سمجھیں نِکلتے ہیں جفا پرور
کہ ایسے حادثے دُنیا میں میری جان ہوتے ہیں

بشیؔر اِس زندگی میں چاہتا ہوں سب کو میں یکساں
مری نظروں میں اِس دُنیا میں سب اِنسان ہوتے ہیں

نہ اشکوں سے نہ آہوں سے نہ انساں کی بغاوت سے
بدل جاتی ہے تقدیریں عمل سے اور عبادت سے

کبھی دست و گریباں ہونے سے کچھ بھی نہیں مِلتا
سکونِ زندگی ملتا ہے آپس کی محبّت سے

بشر ننگے تنوں کو ڈھانپے اور بھوکوں کو دے روٹی
کہ سرمائے میں ہوتا ہے اِضافہ اِس سخاوت سے

نہیں اِس میں ذرا بھی شک کشادہ دل وہ ہوتے ہیں
جو ہر اِنسان سے دنیا میں مِلتے ہیں محبّت سے

کسی کے حسن کی تعریف کرنا بھی تو اِک فن ہے
یہ نازک آبگینہ ہے اِسے رکھنا حفاظت سے

وہ جس نے خونِ دل سے اپنے فن پاروں کو سینچا تھا
اُسی کا نام غائب ہوگیا ہے اِس حکایت سے

بزرگوں سے رکھے صحبت اور کرے احترام اُن کا
بہت کچھ پاتے ہیں وہ زندگی میں اِس عقیدت سے

کہاں یہ شاعری کا فن اور کہاں میری بِساط اِتنی
یہ ممکن ہو سکا ہے اے بشؔیر اُس کی عنایت سے

طاقتِ دیدار دیدے تو کہوں
جرأتِ اظہار دیدے تو کہوں

میرے دل میں جو بھی ہے پوشیدہ راز
خوبیٔ گُفتار دیدے تو کہوں

جو مجھے کہنا ہے تجھ سے بے دھڑک
مجھ کو اپنا پیار دیدے تو کہوں

کس طرح قرباں ہوں گا تجھ پہ میں
جذبۂ ایثار دیدے تو کہوں

راز ہستی کے نمایاں مجھ پہ ہوں
وہ دِلِ بیدار دیدے تو کہوں

داستاں ہے یہ محبت کی اِسے
چشم گوہرِ بار دیدے تو کہوں

میرے دِل میں بات جو بھی ہے نہاں
گرمیٔ گُفتار دیدے تو کہوں

شاعری پر میں تو مائل ہوں بشؔیر
وہ نئے اُفکار دیدے تو کہوں

آگ بھڑکی وہ گل و گُلزار سے
شور اُٹھا کوچہ و بازار سے

آپ کو ہر چیز پر ہے اختیار
میں کہوں تو کیا کہوں سرکار سے

آ گئے ہیں زندگی میں ایسے دِن
مِلتی ہے ہر چیز اب بازار سے

عین ممکن ہے کہ آئے انقلاب
آ رہے ہیں اب نظر آثار سے

دور ساری رنجشیں ہو جائیں گی
''ہاں'' نمایاں ہوترے اُفکار سے

تونے کوئی چوٹ کھائی ہے بشیؔر
صاف ظاہر ہے ترے اشعار سے

وہ خزاں ہے کبھی بہار نہیں
زندگی جس کی پُر وقار نہیں

اُس پہ کیا ہوگا اِختیار مجھے
مجھ کو جب خود پہ اختیار نہیں

میں کسی کا نہیں کبھی محتاج
میں جہاں میں کسی پہ بار نہیں

کوئی ایسا بشر نہیں ملتا
ذہن میں جس کے انتشار نہیں

بے قراری سی بے قراری ہے
دِل کو حاصل مرے قرار نہیں

جس زمانے میں جی رہے ہیں ہم
یہ زمانہ وفا شعار نہیں

اِک تعلق ہے زندگی سے بشیرؔ
وہ تعلق بھی اُستوار نہیں

کوئی بھی بات ہو اُس بات کی تاثیر ہوتی ہے
حقیقت ہے کہ ہر اِک خواب کی تعبیر ہوتی ہے

ہر اِک اِنسان پریشاں رہتا ہے کوئی بھی عالم ہو
ہر اِک اِنساں کو کوئی فِکر دامنگیر ہوتی ہے

نہیں شک اس میں اخلاص ومحبت جس میں شامل ہو
کہوں کیا پُر کشش کس درجہ وتقریر ہوتی ہے

پہنچتا ہے وہ آخر منزلِ مقصود پر اِک دِن
وہ جس کے ذہن میں ہر لمحہ اِک تدبیر ہوتی ہے

کسی صورت بھی پھر رکتی نہیں ہیں دھڑکنیں دِل کی
کسی کے آنے میں جب بھی ذرا تاخیر ہوتی ہے

بشیرؔ اِک بات اکثر سوچتے ہیں کس طرح پوچھیں
ترے ہاتھوں میں اکثر کس کی یہ تصویر ہوتی ہے

دُنیا کی باتوں میں جو بھی آئے گا
دیکھنا اِک دِن وہ دھوکا کھائے گا

مجھ سے جب دور وہ ہو جائے گا
زندگی میں تنہا کیا رہ پائے گا

جب بھی تنہائی میں دِل گھبرائے گا
یہ حقیقت ہے بِکھر سا جائے گا

بھولنا چاہوں گا میں جب بھی اُسے
ایسے میں وہ اور بھی یاد آئے گا

میرا دِل ماضی میں جب بھی جھانکے گا
گُزری یادوں کے سِوا کیا پائے گا

غم کی الجھن خاک سُلجھے گی بشیؔر
وہم ہے تیرا کہ تو سلجھائے گا

جب کبھی میں اپنے اندر سے ہوں باہر آ گیا
ایسے میں ہوں اِک نیا چہرہ لگا کر آ گیا

ہر قدم پر کٹ رہی تھی زندگی جن کے طفیل
ایسی یادوں کے چراغوں کو بُجھا کر آ گیا

زندگی میں اب نہیں وہ پہلے جیسی دِلکشی
وقت کے سیلاب میں سب کچھ بہا کر آ گیا

کتنی بے معنی تھی یہ میرے لئے اُن کے بغیر
ہر خوشی اِس دل کی اشکوں میں بہا کر آ گیا

اِس جہاں میں اب مجھے پہچانتا کوئی نہیں
جب سے ہوں نام و نِشاں اپنا مِٹا کر آ گیا

کیا کہوں میں ہر کوئی رہنے لگا ہے دُور دُور
ہر کسی کو آئینہ جب سے دِکھا کر آ گیا

چپ رہا وہ پھر بھی اُن آنکھوں میں آنسو آ گئے
داستانِ غم اُسے میں جب سُنا کر آ گیا

پاس میرے کچھ نہیں مجھ کو ہے اس کا اعتراف
میں بشیؔر اُس کے لئے سب کچھ لُٹا کر آ گیا

نظر اُس کی نظر سے کیا لڑی ہے
مرے دِل پر مصیبت آپڑی ہے

بہت بِگڑے ہوئے ہیں اُس کے تیور
قیامت سی کوئی سر پر کھڑی ہے

حقیقت سے بہت ہی دور ہے جو
کچھ ایسی داستاں اُس نے گھڑی ہے

اِسے برسات کا موسم نہ سمجھو
مری آنکھوں میں اشکوں کی جھڑی ہے

تم آئے ہو کیا تھا یاد تم کو
تمہاری عمر کس درجہ بڑی ہے

مرا پوتا ہے میرا ہاتھ تھامے
بڑھاپے میں یہی میری چھڑی ہے

بشیرؔ اِس زندگی میں ہر قدم پر
ہے جو بھی آزمائش وہ کڑی ہے

❁

ہیں آنکھیں اُن کی کیوں پُر آب دیکھو
ہیں جو دوری کے وہ اسباب دیکھو

نظر میں اُس کی میرا آشیاں ہے
ہے بجلی کِس قدر بے تاب دیکھو

نظر محدود ہے موجِ رواں تک
تلاطم ہے جو زیرِ آب دیکھو

جنہیں انسانیت سے ہو محبت
ہیں ایسے لوگ اب کم یاب دیکھو

جو گرتوں کو ہیں بڑھ کر تھام لیتے
زمانے میں ہیں اب نایاب دیکھو

میں اس پر کِس قدر ہوں ناز کرتا
میرا یہ حلقۂ احباب دیکھو

بشیؔر اِس زندگی کے مے کدے میں
کوئی تشنہ کوئی سیراب دیکھو

زندگی میں مُسکرانا ہی نہیں رونا بھی ہے
ساتھ پانے کے کبھی اِنساں کو کچھ کھونا بھی ہے

تم پہ ہے یہ مُنحصر پہچان کیسے ہو یہاں
کیا کہیں یہ زندگی پیتل بھی ہے سونا بھی ہے

کٹ رہی ہے زندگی اِنساں کی جس رفتار سے
کچھ تھکن محسوس ہوگی جب اِسے سونا بھی ہے

جو بلا آئی ہے وہ آ کر رہے گی ایک دِن
جو مقدر میں لکھا ہے اس کو تو ہونا بھی ہے

دوسروں کے ساتھ اِس نے جو کئے مکر و فریب
اپنا دامن ایسے داغوں سے اُسے دھونا بھی ہے

بِن تخم کے فصل کوئی اُگ نہیں سکتی کبھی
بیج ہر اِک فصل کا اِنساں کو بونا بھی ہے

اُس نے دانستہ کئے یا غیر دانستہ بشیؔر
اِن غلط اعمال پر اِنساں کو رونا بھی ہے

۞

وہ بشر جس میں خلوصِ دِل نہیں
میری نظروں میں کسی قابل نہیں

ہوگا کیا اُس پر محبت کا اثر
جو نظر کے تیر کا گھائل نہیں

زندگی ہے ایک بَحرِ بیکراں
دور تک اِس کا کوئی ساحل نہیں

ترے دِل میں ہو اگر پختہ یقیں
کام دُنیا میں کوئی مُشکل نہیں

دوسروں کا غم نہیں کرتا اثر
آپ کے پہلو میں شاید دِل نہیں

کچھ نہیں پھر کارواں کی اہمیت
کارواں میں وہ اگر شامل نہیں

کیا کریں تفسیر اِس کی اے بشیرؔ
زندگی ہے رہگذر، منزل نہیں

دوسروں کے جو کام آتا ہے
زندگی میں ثواب پاتا ہے

بد گماں ہے وہ جانتا ہوں میں
پھر بھی شدت سے یاد آتا ہے

دیکھتا ہے جو ایک بار اُسے
اُس کی آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے

ہے ملاقات سے گریز اُسے
پھر بھی خوابوں میں روز آتا ہے

ہر کسی سے میں پوچھتا ہوں مگر
کون اُس کا پتہ بتاتا ہے

چوٹ لگتی ہے جب کوئی دِل پر
آدمی ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے

بات کرتے ہوئے میں ڈرتا ہوں
اِس کی وہ داستاں بناتا ہے

وہ کہ سُنتا نہیں کسی کی بشیرؔ
لیکن اپنی ہو جو سُناتا ہے

❁

زندگی کا کچھ نہیں ہے اعتبار
یہ حقیقت میں ہے گَردِ رہگزار

آپ کے وعدوں کا حاصل ہے یہی
اِک مسلسل کشمکش اور انتظار

کیا کہیں یہ زندگی کے رنگ ہیں
آگ کا شعلہ کبھی ہے آبشار

پھنس کے رہ جاتا ہیں اس میں ہر کوئی
کون توڑے کُہنہ رسموں کا حِصار

کس کو ہو معلوم اِس کی اصلیت
زندگی پر جب نہیں کچھ اختیار

لگتا ہے کچھ بھی نہیں اُس کو خبر
جس کی خاطر دل ہے میرا بے قرار

رنگ جو اکثر بدلتا ہے بشیؔر
میں بھی کِس ہرجائی سے کرتا ہوں پیار

کسی صورت بہلتا ہی نہیں ہے
دِلِ ناداں سنبھلتا ہی نہیں ہے

کسک رہتی ہے اِس سینے میں جِس کی
وہ خارِ غم نِکلتا ہی نہیں ہے

بظاہر دیکھنے میں موم ہے وہ
مگر پھر بھی پِگھلتا ہی نہیں ہے

تری یادوں میں ہے دِل محو اِتنا
کئی دِن سے دھڑکتا ہی نہیں ہے

وہ عادی ہوگیا اِتنا نشے کا
پیئے جتنی بہکتا ہی نہیں ہے

ضمیر اِنساں کا ہے کچھ چیز ایسی
یہ سورج کچھ ہو ڈھلتا ہی نہیں ہے

بشؔیر اُس کو نہ بھائے راہ حق کی
کبھی وہ اس پہ چلتا ہی نہیں ہے

جو آئیں دوسروں کے کام وہ اِنسان ہوتے ہیں
اگر ایسا نہیں تو سر بَسر حیوان ہوتے ہیں

ہزاروں اَڑچنیں ہوتی ہیں پیدا ایسی صورت میں
بدل جانے کے جب ماحول کے اِمکاں ہوتے ہیں

بغیر اِن کے نہیں ہے زندگی کی کوئی بھی وقعت
کوئی بھی دِل ہو تو اِس میں بڑے ارماں ہوتے ہیں

زباں سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی
کہ جب نظروں ہی نظروں میں کئی پیماں ہوتے ہیں

یقین پختہ نظر پاکیزہ اُلفت سے بھرا دِل ہو
جہاں میں کامیابی کے یہی ساماں ہوتے ہیں

بہت مُشکل نپٹنا اِن سے ہوتا ہے بشؔیر اکثر
مسائل دیکھنے میں جو بڑے آساں ہوتے ہیں

وہ جب پیشِ نظر ہوتا نہیں ہے
کوئی لمحہ بسر ہوتا نہیں ہے

کئی ہوتے ہیں نظروں والے لیکن
ہر اِک اہلِ نظر ہوتا نہیں ہے

وہ کرتا رہتا ہے کتنے ہی وعدے
کوئی پورا مگر ہوتا نہیں ہے

پڑے رہتے ہیں اکثر رہگذر پر
وہ جِن کا کوئی گھر ہوتا نہیں ہے

وہ کر گذریں گے سب کچھ میری خاطر
یہ کہتے ہیں مگر ہوتا نہیں ہے

حقیقت ہے بشیؔر اِس زندگی میں
کبھی تنہا سفر ہوتا نہیں ہے

جب میرا کوئی ہم سفر ہوگا
ایسا ہر لمحہ مُعتبر ہوگا

دل کی گہرائی سے جو نکلیں گی
اُن دعاؤں کا کچھ اثر ہوگا

جس کو چھو لیں گے نازک ہاتھ اُس کے
ایسا پتھر بھی اِک گُہر ہوگا

دُور ہے جو فریب کاری سے
ہر عمل اُس کا مُعتبر ہوگا

آئے گا وہ غریب خانے پر
جب اِدھر سے کبھی گذر ہوگا

یاد آئے گی ایسے میں میری
جب بھی وہ مائلِ سفر ہوگا

کیا خبر تھی کہ یہ زمانہ بشیرؔ
معترض بات بات پر ہوگا

کبھی مل جاتے ہیں رہ میں خزانے
کبھی گھر کو بھی چھینا ہے خدا نے

کسی کی قربتیں تھیں اور میں تھا
مجھے ہیں یاد وہ گذرے زمانے

نہیں معلوم کس کو ڈھونڈتے ہیں
کہاں پر کھو گئے ہیں ہم نہ جانے

محبت میں وہ لمحہ بھی قرین ہے
حقیقت کے بنیں گے جب فسانے

نہ سوچا تھا گلستاں بھی جلے گا
جلائے برق نے جب آشیانے

جنہیں سمجھا قریبی دوست تھا میں
لگے ہیں وہ بھی مجھ کو آزمانے

جنہیں سمجھا تھا ہیں احباب میرے
لگے رہتے ہیں وہ مجھ کو مِٹانے

بشیؔر اکثر میں دِل میں سوچتا ہوں
یہاں بھیجا ہے کیوں مجھ کو خدا نے

نہ وہ آئے نہ پل بھر نیند آئی
مری قسمت گھڑی یہ کیسی لائی

نہیں واقف وفاؤں سے وہ مطلق
ہوئی ہے جس سے اپنی آشنائی

جھٹک کر اُس نے بازو سے ہٹایا
کبھی تھامی ہے جو اُس کی کلائی

مصائب سے نہ مل پائی ہے فرصت
اسی باعث نہ اُس کی یاد آئی

اڑاتا ہے مذاق اپنا زمانہ
مری سادہ دِلی یہ رنگ لائی

نہ ہو پائی کوئی بھی بات اُن سے
ہے ورنہ مدتوں کی آشنائی

بشؔیر اِس بات کا ہے فخر مجھ کو
ملی اِک اہلِ فن کی رہنمائی

خلاء میں جب کبھی وہ مائلِ پرواز ہوتے ہیں
نئے ماحول کا ہر حال میں آغاز ہوتے ہیں

سِوا اپنے وہ اوروں کو پرکھتے رہتے ہیں اکثر
کہ جو فنکار ہیں حالات کے غماز ہوتے ہیں

جلا کر اپنے ہی گھر کو کریں جو دُور ظلمت کو
جہاں میں لوگ ایسے باعثِ صد ناز ہوتے ہیں

کریں تنقید جو بھی حاکمانِ وقت پر اکثر
حقیقت ہے ہمیشہ وہ نظر انداز ہوتے ہیں

ہے ظاہر اہمیت اُن کی فقط اہلِ محبت پر
محبت میں کبھی غم بھی تبسُم ساز ہوتے ہیں

غلط ہے سوچ یہ آوازِ حق کی ہے کوئی قیمت
جہاں والے کہاں ایسے میں ہم آواز ہوتے ہیں

بہت کم ہیں حقائق سے ہے جنکا واسطہ کوئی
زیادہ لوگ وہ ہیں جو زمانہ ساز ہوتے ہیں

جو اپنی زندگی میں ہوتے ہیں کِردار کے سچے
حقیقت ہے کہ دُنیا میں وہی ممتاز ہوتے ہیں

لبوں پر جن کے رہتے ہیں محبت کے حسیں نغمے
بشیر ایسے جہاں میں محرمِ صَد راز ہوتے ہیں

زندگی بہتی ہوئی اِک نہر ہے
آپ کے جور و ستم کی لہر ہے

ہے تعصب اور نفرت کی فضاء
ہر طرف پھیلا ہوا اِک زہر ہے

دُور ہے اِنساں سے شرم و حیا
کیا نئی تہذیب کی یہ لہر ہے

کچھ بھی کرسکتا نہیں اِنسان پھر
ٹوٹتا جب بھی خُدا کا قہر ہے

کس قدر دِل پر گُزرتی ہے گراں
اُن کی باتوں میں غضب کا زہر ہے

اب کہاں وہ سادگی وہ خوش دِلی
اب تو جو بھی گاؤں ہے وہ شہر ہے

ہم نہیں آئیں گے حق گوئی سے باز
کچھ بھی ہو پینا یہ ہم کو زہر ہے

کیا کروں تفسیر اِس کی اے بشیؔر
''زندگی اِک حادثوں کا شہر ہے''

✪

یہ خوشیاں نہ ہوتیں کہیں غم نہ ہوتے
یہ دُنیا نہ ہوتی اگر ہم نہ ہوتے

مسرّت سے اِنسان واقف نہ ہوتا
اگر اُس کی تقدیر میں غم نہ ہوتے

بدلتی نہ نزدیکیاں دوریوں میں
اگر وہ کبھی ہم سے برہم نہ ہوتے

ستم اہلِ حق پر نہ ڈھاتی یہ دُنیا
قدم راہِ حق پر جو پیہم نہ ہوتے

محبت میں ایسا ضروری تھا ورنہ
وہ شعلہ نہ ہوتے وہ شبنم نہ ہوتے

اُنہیں علم تھا ہم منائیں گے اُن کو
کسی طور ورنہ وہ برہم نہ ہوتے

بشیرؔ اُس کے در میں کشش کس قدر ہے
نہیں ایسا ہوتا تو سرخم نہ ہوتے

جو سفینہ بھی ہے زیرِ آب ہے
دُور تک پھیلا ہوا سیلاب ہے

اِس کی ہر تفسیر سے محروم ہوں
جانتا ہوں زندگی اِک خواب ہے

کیسے سمجھے زندگی ہے اِک عمل
آدمی سوچوں میں جب غرقآب ہے

چہرے پر افسردگی ہے خیمہ زن
دِل بھی اُس کا دیدۂ پُر آب ہے

مِل نہیں سکتی زمانے میں کہیں
اُسکے چہرے پر جو آب و تاب ہے

زندگی امن و اماں سے ہو بسر
میری آنکھوں میں یہ رنگیں خواب ہے

اور سب کچھ ہے جہاں میں اے بشیؔر
اِک فقط اِنسانیت نایاب ہے

❁

نہ خود آیا نہ ہی اُس کو ہماری یاد آئی ہے
کہوں تو کیا کہوں، اُس نے طبیعت کیسی پائی ہے

کشش کیسی ہے یہ اُس میں بیاں ہو نہیں سکتی
ادا اُس کی ہو کوئی بھی وہ مجھ کو راس آئی ہے

بتا سکتا نہیں کیسی پریشانی رہی دِل میں
نہ حسب وعدہ وہ آیا نہ پل بھر نیند آئی ہے

عجب تیور ہیں اُس کے اور عجب انداز ہے اُس کا
قریب آ کر نہ پہچانے یہ اُس کی آشنائی ہے

حقیقت ہے کہ اِن آنکھوں سے آنسو ہیں چھلک آئے
مجھے اِس زندگی میں جب بھی اُس کی یاد آتی ہے

بشیؔر اِس زندگی میں ہو چکا تھا دور ہر شے سے
مگر اُس کی محبت پھر سے اُس کو کھینچ لائی ہے

کبھی نغمہ ہے یہ کبھی ساز ہے
نظر جو محبت کی غماز ہے

اگر دُور تک میری پرواز ہے
حقیقت میں اُس کا ہی اعجاز ہے

محبت کے نغموں کا مرکز بھی ہے یہ
مرا دِل شکستہ سا اِک ساز ہے

جو آتی ہے اکثر بڑی دُور سے
کسی مہرباں کی یہ آواز ہے

کسی اہل فن سے ہے وابستگی
مری شاعری کا یہی راز ہے

ابھی اُن سے ہیں کس قدر دُوریاں
ابھی یہ محبت کا آغاز ہے

مری زندگی کا جو ہے ہم سفر
بشیؔر اُس پہ مجھ کو بڑا ناز ہے

کرم ہے مجھ پہ یہ اُن کا یہ اُن کی مہربانی ہے
غم و آلام کی زد میں مری یہ زندگانی ہے

جو دِل میں بات ہوگی ساتھ ہی دل کے وہ جانی ہے
کہ سب کی زندگی میں وہ گھڑی اِک روز آنی ہے

یہ ہے ڈوبی ہوئی اَشکوں میں اَشکوں کی زبانی ہے
نہایت مختصر میری محبت کی کہانی ہے

مری اتنی دعا ہے یہ کسی صورت نہ مِٹ پائے
مرے دِل میں کسی کی یاد کی جو بھی نِشانی ہے

حقیقت پر جو مُبنّی تھی کہی وہ بات محفِل میں
نہیں معلوم تھا ہم کو سزا اِس کی بھی پانی ہے

یہی کوشش رہے یہ نیک کاموں میں گذر جائے
جہاں میں ہر کسی کی چند روزہ زندگانی ہے

مسرت ہو کہ غم اِن میں نہیں ہے مستقل کوئی
کوئی بھی چیز ہو اِس زندگی میں آنی جانی ہے

کوئی بھی کام ہو اِخلاص سے میں کام لیتا ہوں
بشؔیر اِس زندگی میں یہ مری عادت پُرانی ہے

اُجالوں کا سفر ہے اور میں ہوں
وہ چشمِ معتبر ہے اور میں ہوں

نہیں معلوم کب یہ ٹوٹ جائے
کہ دِل شیشے کا گھر ہے اور میں ہوں

فقط تنہائی ہے حدِ نظر تک
یہ میری ہم سفر ہے اور میں ہوں

محبت کے سفر میں ساتھ میرے
یہ میری چشمِ تر ہے اور میں ہوں

غنیمت ہے اگر ہوں میں سلامت
لٹیروں کا شہر ہے اور میں ہوں

نہیں اِس کے سوا کچھ پاس میرے
بس اِک اجڑا سا گھر ہے اور میں ہوں

قدم یہ ڈگمگائے جارہے ہیں
بڑی ویراں ڈگر ہے اور میں ہوں

بشیرؔ اِس زندگی میں ساتھ میرے
حوادث کا بھنور ہے اور میں ہوں

ایسے میں جو بھی لمحہ ہو وہ خُوب بسر ہو
یہ آرزو ہے ہر گھڑی وہ پیشِ نظر ہو

کھویا جو خیالوں میں ترے شام و سحر ہو
وہ کیا کرے اپنی نہ جسے کوئی خبر ہو

ممکن نہیں ہے دِل پہ کبھی اِن کا اثر ہو
شامل نہ دعاؤں میں اگر خونِ جگر ہو

اِس لمحہ میں تقدیر بدل جائے یہ میری
مجھ پر بھی اگر تیری عنایت کی نظر ہو

اِس کے لئے ہر وقت میں رہتا ہوں پریشاں
میں سوچتا ہوں زندگی یہ کیسے بسر ہو

تنہائیوں سے کیا کہوں اُکتا سا چکا ہوں
جی چاہتا ہے میرا بھی ہنستا ہوا گھر ہو

اے کاش ہو اِس دور میں اِنساں کو میسر
وہ زندگی جس میں نہ کوئی خوف و خطر ہو

جھک جاؤں بشیرؔ ایسے میں جب بھی اُسے دیکھوں
قدموں کا نشاں اُس کا میرا حدفِ نظر ہو

زندگی کے آخری ایام ہیں
اس لئے دنیا میں ہم بدنام ہیں

جھوٹ کو ہم نے کہا ہے جھوٹ ہی
اس سبب سے بھی کئی الزام ہیں

اب نہیں شعر و سخن کا وہ مقام
محفلیں ہیں جو برائے نام ہیں

ایسے دانشور یہاں ہیں آج بھی
جِن کی باتوں میں کئی پیغام ہیں

جتنے صدمے ہیں وہ ہیں میرے لئے
جس قدر خوشیاں ہیں اُن کے نام ہیں

ملتی ہیں ہم کو سزائیں بے حساب
یہ نہیں معلوم کیا الزام ہیں

ایسے بھی فنکار ملتے ہیں بشیرؔ
نامور ہو کر بھی جو بے نام ہیں

غم کتنے بھی ہوں پھر بھی ہم لاچار نہیں ہیں
ہم ریت کی گرتی ہوئی دیوار نہیں ہیں

اِس زندگی میں جن کا فقط جھوٹ ہے شیوہ
ہم اُن کے کسی طور طرفدار نہیں ہیں

وہ مشکلوں پر پا نہیں سکتے کبھی قابو
جو مُشکلوں سے بر سر پیکار نہیں ہیں

ہو بات کوئی اُس میں ہے اِک طنز کا پہلو
ہم آپ سے اس پر بھی دِل آزار نہیں ہیں

خاموش سے رہتے ہیں ہر اِک جُور پر اُن کے
لیکن نہیں ایسا کہ ہم خودار نہیں ہیں

معلوم ہے یہ بات کہ جانا ہے جہاں سے
افسوس کہ ہم اس پہ بھی تیار نہیں ہیں

ہم نے ہے بشیرؔ اُن کے لئے عمر گنوا دی
اس پر بھی محبت کے ہم حق دار نہیں ہیں

ایک مُدّت سے روح پیاسی ہے
اب تو آؤ بہت اُداسی ہے

اُن کا دیدار چاہتا ہوں میں
میری خواہش یہ بس ذرّا سی ہے

کس طرف جا رہا ہے میرا سماج
جس طرف دیکھیں بے لباسی ہے

شرم کے نام کا نہیں کچھ بھی
بات جو بھی ہے بے حیا سی ہے

رات کو کس طرح کہیں ہم دِن
یہ حقیقت سے ناشناسی ہے

اِس کا اِمکاں نہیں کہ پورا ہو
اُن کا وعدہ ہے جو سیاسی ہے

بگڑے بگڑے سے اِس کے تیور ہیں
زندگی مجھ سے کچھ خفا سی ہے

ذِکر تیرا بھی تھا وہاں پہ بشیرؔ
یہ خبر سب سے پر جُدا سی ہے

دِل خستہ بہت اپنی اداؤں سے ہوا ہوں
کس درجہ میں شرمندہ خطاؤں سے ہوا ہوں

بُر باد مجھے اہلِ زمانہ نے کیا تھا
آباد بُزرگوں کی دعاؤں سے ہوا ہوں

دعویٰ ہے خُدائی کا ہیں شیطاں سے بدتر
مایوس بہت ایسے خُداؤں سے ہوا ہوں

محسوس یہ ہوتا ہے پُکارا ہے کسی نے
مَسرور بہت ایسی صداؤں سے ہوا ہوں

اُبھرے ہیں مری زندگی کے کتنے ہی پہلو
محتاط زمانے کی جفاؤں سے ہوا ہوں

غم بھی ہیں مِلے ساتھ میں خوشیاں بھی ملی ہیں
سرشار بہت تیری عطاؤں سے ہوا ہوں

جب بھی بشیرؔ اُن کی مُجھے یاد ہے آئی
نادم میں بہت اپنی خطاؤں سے ہوا ہوں

کیا کہوں یہ دِل ہے کِتنا بے قرار
بارِ خاطر ہے یہ تیرا انتظار

پھر کسی جانب سے پتھر آئے ہیں
بھر گیا ذہنوں میں کِتنا انتشار

اپنے ہی جب دشمنی کرنے لگیں
ایسے میں کس پر کریں ہم اعتبار

حسرتیں ہیں دِل میں تا حدِ نظر
دِل ہے جیسے آرزوں کا مزار

کون ہوتا ہے مرے غم میں شریک
دیکھنے میں سینکڑوں ہیں غمگُسار

فِکر و فن کی ہو گئیں قدریں تمام
چل پڑا اب ہے ادب کا کارو بار

رہ گئے ہیں ٹوٹ کر ہم اے بشیؔر
اب نہیں پہلا سا وہ صبر و قرار

اُس کی کوئی بات کرے کیا وہ تو اِک سودائی ہے
بارونق اس بستی میں مَطلوب اُسے تنہائی ہے

جنگل جنگل صحرا صحرا ڈھونڈ رہے ہو تم جِس کو
اُس کی صورت اپنے من میں کیا نظر نہیں آئی ہے

کیسے وجود میں آئی دُنیا کیسے وجود میں آئے ہم
''کن فِکاں'' کے لفظ نے آخر گھُتی یہ سلجھائی ہے

مجھے یقیں ہے ذات پہ اُس کی مجھے بھروسہ ہے اِس پر
وہی ہے دُنیا میں جس نے ہر بگڑی بات بنائی ہے

تڑپ رہا تھا جس کی خاطر کس درجہ بے چین تھا میں
اُس نے اپنی دید سے آخر میری پیاس بُجھائی ہے

اُس کی میٹھی میٹھی باتیں اُس کے پیارے بول بشیؔر
ہوتا ہے محسوس مجھے یہ جیسے اِک شہنائی ہے

میرا اُس پر اثر ہوا نہ ہوا
یہ غنیمت ہے وہ خفا نہ ہوا

یوں تو اُس نے کیئے کئی وعدے
کوئی وعدہ مگر وفا نہ ہوا

دوریاں ہو گئیں کئی حائل
پھر بھی دِل سے دِل جُدا نہ ہوا

اُس کا بس ہوتو مار دَے سب کو
شکر ہے آدمی خدا نہ ہوا

اُن سے کرنے تھے سینکڑوں شکوے
وہ تو کہیئے کہ سامنا نہ ہوا

کس طرح اُس کو داستاں کہیئے
تذکرہ جس میں آپ کا نہ ہوا

سہہ نہ پایا بشیؔر فرقت کو
''میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا''

باتوں باتوں میں بہت کچھ کہہ گیا
میں کہ اُس کو دیکھتا ہی رہ گیا

چل رہا تھا قافلے کے ساتھ ساتھ
کیا کہوں میں کیوں اَکیلا رہ گیا

میں ہوا طوفاں سے جب ہمکنار
ایک تنکے کی طرح ہوں بہہ گیا

ہو گئے وہ غم زدہ اور رو پڑے
جب میں دِل کا حال اُن سے کہہ گیا

میری ہر اِک بات میں تھا اِختِصار
دِل میں جو کچھ تھا نظر سے کہہ گیا

تیز آندھی غم کی سہہ پایا نہیں
میں تھا اِک خستہ عمارت ڈھ گیا

اِس کو کہتے ہیں محبت اے بشیرؔ
ہر ستم اُس کا میں دِل پر سہہ گیا

❁

وہ ہیں بچھڑے سوچ کر کیا دیکھئے
ہو گئے ہم کتنے تنہا دیکھئے

یہ نہ پوچھیں حال دِل کا دیکھئے
اہلِ دُنیا کا تماشا دیکھئے

آپ کو ہے جب سے چاہا دیکھئے
ہوگئے ہم کتنے رسوا دیکھئے

چاہتے ہیں ہم کبھی اُن سے ملیں
کیا پیام آتا ہے اُنکا دیکھئے

سو مصائب میں کٹی یہ زندگی
اور بھی سہنا ہے کیا کیا دیکھئے

کون سی مشکل نہیں آئی ہے پیش
کیسے کٹ جائے گا فردا دیکھئے

وہ چھُپانے میں ہیں ماہر دیکھئے
کب ہو دِل کا راز اِفشا دیکھئے

آپ کا شیدائی ہے دِل سے بشیرؔ
آپ سے اِتنا ہے کہنا دیکھئے

جو بھی اُس پر دِل سے ایماں لائے گا
لازماً جنت میں اِک دِن جائے گا

آپ کیوں ہوتے ہیں اِتنے بے قرار
اُس نے آنا ہے اگر آجائے گا

دوسروں کے کام جو بھی آئے گا
زندگی بھر وہ دُعائیں پائے گا

اِس کی قدروں سے رہے گا دور جو
زندگی سے وہ بشر کٹ جائے گا

جب کوئی دست طلب پھیلائے گا
زندگی میں جیتے جی مر جائے گا

کیوں یہ دُنیا کو سمجھ پاتا نہیں
دِل کہاں تک اور دھوکے کھائے گا

چھوڑ دے گا جو بھی حق کی راہ کو
دیکھنا وہ خود سے بھی کٹ جائے گا

اِک نہ اِک دِن اُس کو جانا ہے بشیرؔ
جو بھی اِنساں اس جہاں میں آئے گا

بچوں کے نام

نفرتیں سب تمام کرلینا
زندگی میں یہ کام کر لینا

راہ میں جب ملے بزرگ کوئی
اُس کو جھک کر سلام کر لینا

جس سے مٹی ہوں ظلمتیں ساری
روشنی ایسی عام کرلینا

جس طرح بھی ہو نیک کاموں سے
دنیا میں اپنا نام کرلینا

کام آنا غریب لوگوں کے
خود کو یوں شاد کام کر لینا

کوئی بھی کمائی ہو رشوت کی
اپنے اوپر حرام کر لینا

ہر کسی کو لگانا سینے سے
کم سے کم اِتنا کام کر لینا

جب بھی مجلس ہو نیک لوگوں کی
تُم ادب سے کلام کر لینا

کہوں کیا کِس جگہ پر کھو گیا ہوں
میں اپنی ذات میں گُم ہوگیا ہوں

جگانا نیند سے ہر گز نہ مُجھ کو
میں جاگا تھا بہت، اب سو گیا ہوں

نہیں ہے راس آئی مجھ کو دُنیا
میں دُنیا سے کِنارے ہوگیا ہوں

نِہاں اِن میں نقوشِ پا ہیں اُس کے
کہ میں جن راستوں میں کھو گیا ہوں

نہیں واپس وہاں سے آ سکا پھر
کسی کی انجمن میں جو گیا ہوں

اصول اپنائے کتنے زندگی میں
میں اپنی راہ میں کانٹے بو گیا ہوں

مرے نزدیک تھی دُنیا ہمیشہ
بشیؔر اب دور اس سے ہو گیا ہوں

......۞......

❁

اُس کا اندازِ بیاں اچھا لگا
اور پھر حُسنِ زباں اچھا لگا

ایک مدّت میں ہیں ہم اُن سے ملے
نیلگوں پہ آسماں اچھا لگا

کس قدر تھی شاعری اُس کی بُلند
ایسے میں وہ نغمہ خواں اچھا لگا

میری خاطر ہر سِتم مخصوص ہے
اِس لئے وہ مہرباں اچھا لگا

کھیل کے میداں میں بچوں کا ہجوم
کس قدر شور و فغاں اچھا لگا

شہروں شہروں گھوم کر آئے مگر
اپنا ہی یہ آشیاں اچھا لگا

اُس نے پوچھا کیسا ہے جلوہ مرا
کہہ دیا میں نے کہ ہاں اچھا لگا

ذکر میرا اُس میں شامل تھا بشیرؔ
مُجھ کو اُس کا ہر بیاں اچھا لگا

خوابوں میں میری زندگی تحلیل ہوگئی
کتنے ہی حادِثات کی تمثیل ہو گئی

مجھ کو کسی غرض سے تھا لایا گیا یہاں
یا یوں ہی ایک حکم کی تعمیل ہوگئی

جب اپنا احتساب کیا شرم آ گئی
نظروں سے اپنی گِر گیا تذلیل ہوگئی

دیکھا تو جُھول تھے کئی کردار میں مرے
کس خاک سے ہے میری یہ تشکیل ہوگئی

جب حُسنِ اتفاق سے محرم مجھے ملا
قسمت خراب تھی مری تعجیل ہوگئی

ہے زندگی کا آخری پڑاؤ اے بشیرؔ
ہم کیا کہیں کِس بات کی تکمیل ہوگئی

❁

وہ مُدّت سے مرا دِیوانہ بھی ہے
یہ لگتا ہے کبھی بیگانہ بھی ہے

کروں تفسیر میں کیا زندگی کی
حقیقت بھی ہے یہ افسانہ بھی ہے

ہے آنکھ اُس کی مے وحدت کا مرکز
صُراحی بھی ہے یہ پیمانہ بھی ہے

یہ دُنیا گُلستاں سے بھی ہے بڑھ کر
کبھی یہ سربسر ویرانہ بھی ہے

غمِ دوراں بھی ہے آباد اس میں
مرے دِل میں غمِ جانانہ بھی ہے

کبھی مینار ہے یہ روشنی کا
کبھی اِنسان ظُلمت خانہ بھی ہے

اِسے تڑپاتی رہتی ہے وہ صورت
اگر سوچیں تو دلِ دیوانہ بھی ہے

کہاں جاؤں بشیرؔ اِس زندگی میں
مرے ہَمرہ دلِ دیوانہ بھی ہے

✿

یہ اکثر سوچتا ہوں خطہ میں اُس کے نام کیا لکھوں
نہیں آغاز جب کوئی تو پھر انجام کیا لکھوں

مری ہر بات کرتی ہے نظر انداز یہ دُنیا
کتابِ زندگی کے ایسے میں پھر دام کیا لکھوں

خطوط اُس کے ملے ہیں اُس نے ماضی میں جو لکھے تھے
لگائے اُس نے کتنے مجھ پہ ہیں الزام کیا لکھوں

خیال آتا ہے دِل میں یہ میری اوقات ہی کیا ہے
میسر جب نہیں کچھ بھی تو اُس کے نام کیا لکھوں

کسی گوشے میں دِل کے میری یاد آئے بھُلا دینا
سوا اِس کے اُسے میں آخری پیغام کیا لکھوں

بشیرؔ ایسے میں بس تنہائیاں ہیں اور دہشت ہے
یہ میری زندگی کی صُبح ہے یا شام کیا لکھوں

نئی منزلیں ہیں نئے راستے ہیں
نئے مرحلے ہیں نئے ولولے ہیں

نئے راہ رو ہیں نئے راستوں پر
کہ اِن کے دِلوں میں نئے حوصلے ہیں

نئے دور کے ہیں نئے کچھ تقاضے
نئی زندگی کے نئے مشغلے ہیں

قدامت پسندی ہے نظروں سے غائب
ترقی پسندی کے اب ولولے ہیں

نئے نسل سے ہیں انہیں کیا کہیں ہم
عجب بگڑی تہذیب میں یہ پلے ہیں

تم اہلِ سیاست کی ہر بات سن لو
اِسے بھول جاؤ بُرے یا بھلے ہیں

نہیں علم اُن کو کہاں پر ہے منزل
رواں رہگزر پر کئی قافِلے ہیں

بشیؔر اِن کو کس طور طے کر سکو گے
کہ اِس زندگی میں کئی مرحلے ہیں

اُس رُخِ زیبا کے آگے چاند بھی شرمائے ہے
نرگسی آنکھوں سے رنگیں جام جو چھلکائے ہے

اپنے گھر سے بن سنور کر نکلے ہیں وہ جب کبھی
کیا کہیں کِتنوں کو ظالم ایسے میں تڑپائے ہے

مدّتوں سے رہ رہے ہیں ہندو اور مسلم یہاں
آگ نفرت کی وطن میں کون یہ بھڑکائے ہے

وہ بھلا کیسے رکھے گا دوسروں کا کچھ خیال
آپ جو اپنی حفاظت خود نہیں کر پائے ہے

کر لیا ہے جب سے چُپ رہنے کا اُس نے فیصلہ
ایسی صورت میں وہ اب کہنے سے کچھ شرمائے ہے

ذکر چھڑ جاتا ہے جب محفل میں اُس کے پیار کا
کیا کہوں میں ہر قدم دِل لڑکھڑا سا جائے ہے

کچھ نہیں آتا سمجھ میں اُس کو ہے یہ کیا ہوا
بارہا اِس دِل کے نذرانے کو وہ ٹھکرائے ہے

چاہتا ہوں بھُولنا میں جب بھی اُس کو اے بشیؔر
کیا بتاؤں ایسے میں شُدّت سے وہ یاد آئے ہے

آدمی کو آدمی سے پیار ہے
آدمی سے آدمی بے زار ہے

آدمی پر آدمی کو کتنا ناز
آدمی ہی آدمی پر بار ہے

آدمی ہی آدمی کا ہے عدو
آدمی ہی آدمی کا یار ہے

آدمی ہی آدمی پر ہے فِدا
آدمی چُبھتا ہوا اِک خار ہے

آدمی کی کیا کریں تعریف ہم
آدمی قُدرت کا اِک شہکار ہے

دَین ہے اہلِ سیاست کی بشیؔر
آج کس میں خُوبیِ کردار ہے

❁

جب تری یادوں میں کھو جاتا ہوں میں
کِس قدر دِل کا سکوں پاتا ہوں میں

زندگی میں کچھ نہیں دیں گے اصول
بارہا خود کو یہ سمجھاتا ہوں میں

وہ نہیں ہیں جب سے میرے ہم سفر
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

بات یہ ایمان سے کہنا ذرّا
کیا کبھی تم کو بھی یاد آتا ہوں میں

خود سے بھی رہتا ہے میرا اِختلاف
خود سے بھی سو بار ٹکراتا ہوں میں

اُس سے کھاتا رہتا ہوں اکثر فریب
جس کسی پر بھی یقین لاتا ہوں میں

وہ ہے مجھ پر اِس طرح چھایا ہوا
ہر طرف بس اُس کو ہی پاتا ہوں میں

جب نہ راس آئے کوئی محفل مجھے
اے بشیرؔ اُٹھ کر چلا جاتا ہوں میں

وہ ہے اِک دیوانہ ہنستا رہتا ہے
ہنستے ہنستے دُنیا کے غم سہتا ہے

دیکھتا رہتا کِناروں کو ہے وہ
طوفاں میں جو ناؤ کی صورت بہتا ہے

اپنے غم وہ نہیں سُناتا کسی کو بھی
لیکن اوروں کے غم سُنتا رہتا ہے

جو بھی بات ہو کہتا ہے وہ نظروں سے
جب بھی ملتا ہے خاموش سا رہتا ہے

دِل میں اُس کو ملنے کی ہے چاہ بشیؔر
مل جاتے ہیں ہوش کِسے پھر رہتا ہے

❁

وہ اپنے دِل کی ہر ضد پر اَڑا تھا
عجب تھی کشمکش جس میں پڑا تھا

کسی حد تک ہوئی تھی جیت حاصل
مصائب سے میں کس درجہ لڑا تھا

ضروری تھی بہت تعظیم اُس کی
کہ وہ ہر حال میں مجھ سے بڑا تھا

وہ آئے گا تو ہوں گے ہم سفر ہم
مجھے اِس واسطے رُکنا پڑا تھا

بَلائیں ٹوٹ کر مجھ پر پڑی ہیں
میں اپنی راہ میں تنہا کھڑا تھا

کبھی یوں بھی ہوا ہے زندگی میں
خیالوں میں کسی کے گِر پڑا تھا

بشیؔر اِک اِک قدم پر مُشکلیں تھیں
تھا جو بھی امتحاں بے حد کڑا تھا

اُسے دِل میں بسانا چاہتا ہوں
اُسے اپنا بنانا چاہتا ہوں

کسی کی مے فروش آنکھوں سے یکسر
پیاس اپنی بجھانا چاہتا ہوں

اگر ہو آپ کو فرصت میسر
میں حالِ دِل سنانا چاہتا ہوں

بغیر اِس کے ہے کتنی بے قراری
اُسے یہ دِل دِکھانا چاہتا ہوں

جنہوں نے ہر ستم کی انتہا کی
میں اُن کو بھول جانا چاہتا ہوں

بشیرؔ اہلِ نظر کوئی ملے تو
غزل اپنی سُنانا چاہتا ہوں

❁

دیر تک اپنی حکایت اُس سے میں کہتا رہا
وہ خیالوں میں تھا کھویا میں اُسے تکتا رہا

میں نے اپنی ہر خوشی دِل کی اُسے دے دی مگر
وہ مجھے اس کے عوض ہر ایک غم دیتا رہا

مجھ سے دامن کو چھُڑانے کی تھی اُس کی کوششیں
میں ہمیشہ اُس سے مِلنے کی دُعا کرتا رہا

کیا بتاؤں میں بنایا اُس نے رائی کا پہاڑ
محفلوں میں بھی قصیدے جس کے میں پڑھتا رہا

بات دِل کی میں دبے الفاظ میں کہتا رہا
سست رو دریا کی صُورت دُور تک بہتا رہا

اُس کی محفل میں رہا میں سر کو خم کرکے بشیؔر
زندگی میں ظلم جس کے مستقل سہتا رہا

وہ اپنی شکل سے لگتی بھلی تھی
طبیعت سے بڑی ہی منچلی تھی

کہوں کیا کس قدر تھی بھولی بھالی
بڑے نازوں سے شاید وہ پلی تھی

میں اُس کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا
ادائے ناز سے جب وہ چلی تھی

یہ لگتا تھا ہے میرا اُس کا رشتہ
مرے نزدیک اِتنی آ گئی تھی

تلاش اُس کو کہاں میں نے کیا تھا
مجھے وہ اِتفاقاً مل گئی تھی

وہ جب جانے لگی تھی پھڑ پھڑا کر
ادا اُس کی بہت اچھی لگی تھی

بشیرؔ اُس کو پکڑنے جب بڑھا میں
وہ چڑیا پھر کسی جانب اُڑی تھی

جاگتی آنکھوں سے دیکھے ہم نے کتنے خواب تھے
آنکھ جب موندھی تو سارے ماہئ بے آب تھے

ہم سمجھ پائے نہیں خود بھی یہ ایسا کیوں ہوا
سب کے سب تھے بے حقیقت جو سُنہرے خواب تھے

جب مِلے وہ اِتفاقاً مُسکرا کر چل دیئے
ہم کہ جن کو دیکھنے کے واسطے بے تاب تھے

فِکر وفن کے داعیوں کی اِک بڑی سی بھیڑ تھی
ایسے لوگوں میں مگر اہلِ ہُنر نایاب تھے

مجھ پہ جو بھی سنگ باری میں تھے مصروفِ سِتم
سب کے سب دشمن نہیں تھے اِن میں کچھ احباب تھے

دیکھتے ہی رہ گئے ہم اپنے طوفاں کو بشیؔر
اور بھی طوفاں تھے جو اَب بھی زیرِ آب تھے

دِل مرا بہلائے ممکن ہی نہیں
وعدے پر وہ آئے ممکن ہی نہیں

شہر کے ہنگاموں میں دِل کھو گیا
گاؤں واپس جائے ممکن ہی نہیں

جب گھٹا چھائی ہو تا حد نظر
وہ نہ پھر یاد آئے ممکن ہی نہیں

زندگی میں جو ہو قسمت میں لکھی
وہ بلا ٹل جائے ممکن ہی نہیں

جو کسی صورت نہیں ہے ہم خیال
وہ مرا ہو جائے ممکن ہی نہیں

دیکھ کر اُس کی ادائے دِلنشین
دِل کوئی بچ جائے ممکن ہی نہیں

بات کہنی جو بھی ہو اُس کو بشیؔر
کہنے سے رُک جائے ممکن ہی نہیں

دیکھنے میں جو چھلکتے جام ہیں
اُن کی آنکھوں میں کئی پیغام ہیں

صاف گوئی نے ڈبویا ہے ہمیں
جس کے باعث ہم بہت بدنام ہیں

زندگی کی راحتیں اُن کے لئے
جس قدر غم ہیں وہ میرے نام ہیں

کیا بتائیں کس طرح جیتے ہیں وہ
لوگ جو بھی کُشتۂ آلام ہیں

ہیں تخلص کے گُنہ گاروں میں جو
کیا کہیں ہم ایسے شاعر عام ہیں

ختم ہو سکتے نہیں جو اے بشیرؔ
زندگی میں ایسے کتنے کام ہیں

آپ نے مُجھ پر ہر جفا کر دی
ایسی بھی میں نے کیا خطا کر دی

اُس پہ ہے منحصر وہ کب آئے
عرض ہم نے ہے بار ہا کر دی

کیا ہو انجام کہہ نہیں سکتے
ناؤ ہے نذرِ ناخدا کردی

وہ محبت نبھاتے ہیں کیسے
ہم نے ہے اِس کی ابتداء کر دی

اُس نے مجھ پر کیا ہے کیا جادو
میری حالت یہ کیا سے کیا کر دی

ہوتے ہیں اِختلاف آپس میں
آپ نے تو ہے اِنتہا کر دی

جو دیا اُس نے کم نہیں ہے بشیرؔ
ہر کرم کی ہے اِنتہا کر دی

❁

دِل میں کیسی یہ بے قراری ہے
کیا کوئی غم کی ضرب کاری ہے

کیا ہوا آپ نے ستم توڑے
کس لئے اتنی شرمساری ہے

بات کرتے ہیں وہ پس پردہ
ہم سے کیسی یہ پردہ داری ہے

بارِ خاطر ہے اُس کی دِل جوئی
یہ بھی اندازِ غم گُساری ہے

جو گذرتا ہے اُس کی فرقت میں
ایک لمحہ صدی پہ بھاری ہے

زندگی کا عجیب دور ہے یہ
ہر کسی لب پہ آہ زاری ہے

اُس کو اِنسان کہیئے تو کیسے
نیک اعمال سے جو عاری ہے

دُنیا داری سے دور ہے وہ بشیؔر
سب دِکھاوے کی دُنیا داری ہے

تیری محفل میں پھر جانا پڑے گا
کہ دِل کا زخم دِکھلانا پڑے گا

جہاں ہم چھوڑ کے آئے تھے اُس کو
وہیں لینے اُسے جانا پڑے گا

بڑا مذہب فقط اِنسانیت ہے
یہ نقطہ سب کو سمجھانا پڑے گا

وہ حق کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے
اُسے اب راہ پر لانا پڑے گا

سفینے کو ہے جب درکار ساحل
اِسے طوفاں سے ٹکرانا پڑے گا

بشیرؔ اِتنا غرور اچھا نہیں ہے
دلِ ناداں کو سمجھانا پڑے گا

کہوں کیا میں کیسے جیئے جا رہا ہوں
خود اپنے ہی آنسو پیئے جا رہا ہوں

ہے اشعار میں میرے جدّت سراسر
میں شاعر ہوں یہی کچھ دیئے جا رہا ہوں

ہوں اِس دور میں بھی اصولوں کا قائل
عداوت میں خود سے کیئے جا رہا ہوں

دیئے جو زمانے نے تحفے کی صورت
وہی زخم دِل کے سیئے جا رہا ہوں

خلوص و محبت وفاؤں کے نغمے
یہ سوغات سب کو دیئے جارہاہوں

جفائیں جنہوں نے مرے ساتھ کی ہیں
میں اُن کو دُعائیں دیئے جارہاہوں

بشیرؔ اُن کی محفل سے نکلا میں جب بھی
کئی تلخ یادیں لئے جا رہا ہوں

نہیں ہم فقط خستہ جاں اور بھی ہیں
محبت میں محوِ فغاں اور بھی ہیں

اکیلے نہیں آپ ہی اِس سفر میں
محبت میں کچھ کارواں اور بھی ہیں

کہاں تک چھپائیں گے وہ یہ حقیقت
کہ اُن کے کئی رازداں اور بھی ہیں

لٹاتے ہیں سب کچھ جو اُن کی ادا پر
کہ ہم سے کئی قدر داں اور بھی ہیں

جو اشعار پڑھتے ہیں اوروں کے اکثر
کہ ایسے جادو بیاں اور بھی ہیں

بشیؔر ابتداء ہے ابھی زندگی کی
''ابھی عشق کے اِمتحاں اور بھی ہیں''

ایک گھر کی کیا کہیں پورا شہر پانی میں ہے
جو بھی منظر ہے نگاہوں میں وہ طغیانی میں ہے

باپ کو درکار بیٹا ماں کو بیٹی کی تلاش
زندگی میں جو بھی اِنساں ہے پریشانی میں ہے

کیا کہیں ہم 'کشپ' کی آمد کے سب ہیں منتظر
ساری وادی مُبتلائے قہرِ ربانی میں ہے

حکمرانِ وقت بھی ہے جاں بچانے میں لگا
جِس سے ہم کو آس ہے وہ خود پریشانی میں ہے

قیمتی ساماں کے ہَمرہ قیمتی جانیں گئیں
اے بشیرؔ اب کیا کہیں کیا کیا بہا پانی میں ہے

(2014ء کشمیر کے سیلاب کے پس منظر میں)

۞

ہر ایک دل اُداس ہے ہر اِک نظر اُداس ہے
وقت کیسا آپڑا کہ ہر بشر اُداس ہے

یہ انقلابِ وقت ہے اِسے کہیں تو کیا کہیں
جو سب پہ ظلم ڈھاتا ہے وہ سر بسر اُداس ہے

ہے راج پانیوں کا اب ہے جوش پانیوں میں اب
سب بہا لے جائیں گے سارا گھر اُداس ہے

ہیں سب فسردہ دِل یہاں ہیں سب یہاں الم زدہ
کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے چارہ گر اداس ہے

کہاں ہیں نغمے پیار کے سوچتا ہوں کہ بہہ گئے
سکونِ دِل بھی بہہ گیا ہے دیدہ ور اُداس ہے

کسی کی پگڑی بہہ گئی کسی کی لاٹھی بہہ گئی
شورِ محشر ہے بپا نگر نگر اُداس ہے

تمام عمر کٹ گئی ایسا کبھی دیکھا نہ تھا
دعائیں سب کے لب پہ ہیں دِل مگر اُداس ہے

ایسے میں بھی بشیرؔ جو آئے سب کے کام ہے
سب کی ڈھارس باندھ لے خود مگر اُداس ہے

(2014ء سیلاب کے پس منظر میں)

اپنا ہوکر بھی نہ وہ اپنا لگے
کیا بتاؤں میں کہ مُجھ کو کیا لگے

اب یہاں کوئی نہیں ہے ہم خیال
دِل مرا اس بھیڑ میں تنہا لگے

آئینہ بھی اب نہیں سچ بولتا
اجنبی سا اپنا اَب چہرہ لگے

بے حسی طاری ہوئی جذبات پر
آرزو اِس دِل کی یخ بستہ لگے

بستیوں کی بستیاں جلنے لگیں
ہر گُلستاں ایسے میں صحرا لگے

کیا کسی کی یاد آئی ہے بشیرؔ
کس قدر دامن ترا گیلا لگے

راستہ دشوار اور ہم سفر کوئی نہیں
ہے ستم اس پر کہ میرا راہ بر کوئی نہیں

موت کی زد سے نہیں ہے آج تک کوئی بچا
شور ماتم ہو نہ جس میں ایسا کوئی گھر نہیں

یوں تو ہر کوئی یہاں اُردو کا دیوانہ لگے
اس کی بدحالی پہ لیکن چشمِ تر کوئی نہیں

اس جہاں میں ہے بہت مُشکل سخن سازی کا فن
یوں تو ہیں کتنے سخنور مُعتبر کوئی نہیں

زندگی کی مُشکلوں میں لڑ کھڑا جائے بشر
تھامتا ایسے میں اُس کو دیدہ ور کوئی نہیں

کیا کریں شِکوہ جُدائی کا کسی سے اے بشیؔر
ساتھ دیتا اِس جہاں میں عُمر بھر کوئی نہیں

مرا جس راہ سے جانا ہُوا ہے
وہ رستہ جانا پہچانا ہُوا ہے

بجھی محفل میں جب بھی شمع دیکھی
پریشاں کِتنا پروانہ ہُوا ہے

رہی ہے کِس قدر جانے کی جلدی
کسی کا جب کبھی آنا ہُوا ہے

سفینے سے فقط اِتنا میں پوچھوں
کبھی طوفاں سے ٹکرانا ہُوا ہے

وہی رکھتا ہے مجھ کو دور دِل سے
جو میرا جانا پہچانا ہُوا ہے

مری نظروں نے ڈھونڈا ہے اُسی کو
کبھی محفل میں جب جانا ہُوا ہے

بشیرؔ اُس کو ہے میں نے دل سے چاہا
جو مجھ سے آج بیگانہ ہُوا ہے

اِس اندھیری رات میں جاؤں کہاں
سوچتا ہوں ٹھوکریں کھاؤں کہاں

کاش خود سے ہو سکے حاصل فِرار
پھر کسی کے ہاتھ میں آؤں کہاں

ہو چکا ہے اب درِ میخانہ بند
ایسے میں اِس دل کو بہلاؤں کہاں

شہر کا چہرہ رہینِ غازہ ہے
گاؤں جیسی سادگی پاؤں کہاں

سوچتا ہوں جَب نہیں وہ بَزم میں
جام سے اب جام ٹکراؤں کہاں

رنج و غم میں دل مرا یہ اے بشیؔر
کھوگیا ہے اب اِسے پاؤں کہاں

❁

مُشکلوں میں سنبھل نہ پائے ہو
یہ سبب ہے کہ لڑ کھڑائے ہو

حال اپنا یہ کیا بنایا ہے
کیا کوئی چوٹ دل پہ کھائے ہو

یاد آیا نہیں ہوں میں تم کو
تم بھی مُدت میں یاد آئے ہو

سوچ رکھوں گا میں جواب اُن کے
ساتھ کیا کیا سوال لائے ہو

زندگی ہے بدل گئی کتنی
جب سے میرے قریب آئے ہو

بات ہوگی ضرور کچھ ایسی
دیکھ کر مُجھ کو مسکرائے ہو

کِس طرح آج راستہ بھولے
آج یہ تم کِدھر سے آئے ہو

بات کیا ہے بشؔیر نے کہہ دی
کِس لئے اِتنے تلملائے ہو

اِس دل میں تیری آرزو تیرا خیال ہے
تیرے بغیر یہ زندگی میری محال ہے

اُس کی نگاہِ لطف و کرم کا ہے فیض یہ
شاید اسی سبب سے طبیعت بحال ہے

اپنی غرض سے اُلجھا ہوا رہتا ہے مُدام
انسان ذہنی طور پر اَفسردہ حال ہے

بنتا ہے کار ساز ہر اِنساں کے لئے
اُس کا کوئی بھی کرم ہو بے مثال ہے

محسوس ہو رہی ہے ہر حال میں اِک گھٹن
وہ وقت آگیا ہے کہ جینا محال ہے

خود پھنس کے رہ گیا ہے اس میں بُری طرح
اِنسان کی زندگی بھی کوئی مایا جال ہے

شبیر بھی ظہور میں آئے یزید بھی
دنیا بنائی جس نے یہ اُس کا کمال ہے

اب دیکھئے جدھر بھی تعصب ہے اے بشیرؔ
انسانیت کا جیسے یہ دَورِ زوال ہے

جانبِ ہفت آسماں لے جائے گی
جُستجو اُس کی کہاں لے جائے گی

اُس کی نظروں میں ہے مدّت سے یہ
برق آخر آشیاں لے جائے گی

اُس گلی سے جب نِکل آئے ہیں ہم
اب دیکھئے قسمت کہاں لے جائے گی

میں چلا جاؤں گا اُس کے ساتھ ساتھ
زندگی مجھ کو جہاں لے جائے گی

زندگی جیسے اِک اڑتی پتنگ
اب ہَوا اس کو جہاں لے جائے گی

اے بشیرؔ اس کو بجُھا پائے گا کون
تشنگی جانے کہاں لے جائے گی

یہ کسی صورت نہیں ہیں اِس زمانے کے لئے
میرے یہ اشعار ہیں اُن کو سنانے کے لئے

اُس کی خاطر میرے ہونٹوں پر دعائیں ہیں مُدام
اور وہ مصروف ہیں مجھ کو مٹانے کے لئے

آپ نے سنجیدگی سے کس لئے اس کو لیا
بات جو میں نے کہی ہے دِل لُبھانے کے لئے

یہ کہیں گے پوچھنے آئے ہیں ہم اُن کا مزاج
کچھ بہانہ چاہیئے پاس اُن کے جانے کے لئے

ایک ہی جھونکا ہوا کا لے اُڑا ہے اَب اُنہیں
ہم نے جو تنکے چُنے تھے آشیانے کے لئے

سامنا کرنا مصائب کا ضروری ہے بشیؔر
زندگی ہرگز نہیں آنسو بہانے کے لئے

مجھے جی بھر کے وہ رسوا کرے ہے
نہیں معلوم ایسا کیوں کرے ہے

گراں ہیں دِل پہ یہ انداز اُس کے
مِلے ہے جب کبھی پردہ کرے ہے

مچلنے لگتا ہے یہ دِل برابر
وہ چشمِ پرفسوں جب وا کرے ہے

بڑی تسکین ملی ہے جب یہ جانا
کہ میری بھی کوئی پروا کرے ہے

مرا دِل جِس سے گہری چوٹ کھائے
وہ دانستہ کبھی ایسا کرے ہے

بِنا دیکھے وہ آگے سے نِکلنا
کبھی ایسے بھی وہ شرما کرے ہے

عیادت کو بشیؔر آئی ہے دُنیا
مگر وہ دُور سے دیکھا کرے ہے

خیال اُس کا جب بھی ذہن میں اُبھرتا ہے
یہ گُزرے وقتوں کی ہر یاد تازہ کرتا ہے

اُسے خبر ہے کہ میں بے خطاہوں پھر بھی
وہ ہر قدم کئی اِلزام مجھ پہ دھرتا ہے

میری نظر سے وہ منظر بھی بار ہا گُزرا
جب اُس کو دیکھ کر خود آئینہ سنورتا ہے

بھنور بھی دیکھتا ہے اُس کو چشمِ حیرت سے
سفینہ ڈوب کر جب بھی کوئی اُبھرتا ہے

میں جس کو بھولنے کی کرتا ہوں بہت کوشش
نظر کے سامنے پھر وہی منظر اُبھرتا ہے

بشیؔر کیا کہوں ہے سخت جان یہ دِل کتنا
ہزار غم ہوں کسی طور نہ ڈرتا ہے

ستم اِس دل پہ وہ ڈھاتا رہا ہے
مگر اس پر بھی یاد آتا رہا ہے

ہے دِل رُسوا جہاں میں جس کی خاطر
یہ پھر بھی اُس کے گُن گاتا رہا ہے

کسی شے کا نہیں احساس اس میں
کہ دل سے غم بھی اب جاتا رہا ہے

محبت سے ہے دِل معمور اپنا
یہ نغمے پیار کے گاتا رہا ہے

حقائق سے رہا ہے دور تر جو
وہ اِنسان خود سے کٹ جاتا رہا ہے

بشیؔر اُس سے نہیں اب ربط کوئی
وہ پھر بھی دِل پہ چھاجاتا رہا ہے

حادثے ہوتے ہی رہتے ہیں جوانی میں کبھی
تذکرہ ہے لازمی اِن کا کہانی میں کبھی

خوب سے اِک خوب تر کی رہتی ہے سب کو تلاش
کس کو کیا ملتا ہے دیکھیں زندگانی میں کبھی

ہر قدم پر زندگی میں رہتے ہیں محتاط جو
کھو ہی جاتے ہیں محبت کی کہانی میں کبھی

کیا کہیں ہم اپنوں سے بھی چوٹ کھا جاتا ہے دِل
بات بڑھ جاتی ہے کیا کیا مہربانی میں کبھی

لغزشیں ہوتی ہی رہتی ہیں ہر اِک اِنساں سے
دِل مچل جاتا ہے سب کا نوجوانی میں کبھی

بات کرنے کا سلیقہ سب کو آتا ہے کہاں
تلخ باتیں بھی ہیں شامل خوش بیانی میں کبھی

کس لئے ناحق اُلجھتے ہو زمانے سے بشیؔر
تہمتیں لگتی ہیں سب پر زندگانی میں کبھی

وفا کے عِوض میں نے پائی جفا ہے
الگ اِس زمانے سے اُس کی ادا ہے

وہ مُنہ پھیر کر چل دِیئے جب مِلے ہیں
خدا جانے مجھ سے ہوئی کیا خطا ہے

محبت کے انداز اُن کے عجب ہیں
کہ دِل میں کدورت لبوں پر دُعا ہے

کبھی آپ آئیں میرے جھونپڑے میں
گذارش مری ہے مری التجا ہے

ہے سب دَین اُس کی یہ اشعار میرے
اُسی کا کرم ہے اُسی کی عطا ہے

بشیؔر اُس سے کرنا وفا کی توقع
کبھی پھول صحرا میں کوئی کھِلا ہے

بدلی ہے جب یہ دُنیا تو بدلی ہے فضا بھی
کچھ اپنی خطائیں ہیں کچھ اُس کی رضا بھی

میں کیا کہوں کیا ہے میرے اشعار کا محور
کچھ میرے خیالات ہیں کچھ اُس کی عطا بھی

معلوم نہیں اُن کے یہ انداز ہیں کیسے
کیوں اُن کی جفا لگنے لگتی اب ہے وفا بھی

ہر اِک پہ جفا کاری کا الزام غلط ہے
رہتے ہیں میرے شہر میں کچھ اہلِ وَفا بھی

ہیں کِس قدر دُشوار یہ حق گوئی کی راہیں
ہے منتظر اِن راہوں پہ اِنساں کی قضا بھی

یہ چشمِ کرم آپ کی کیا مجھ پہ بھی ہو گی
پھیلائے ہوئے کب سے ہوں میں دستِ دُعا بھی

جب میں نے بشیرؔ اُس کی اداؤں کو سراہا
تھی ساتھ زبان کے مری نظروں کی خطا بھی

جو دُنیا کی ہوا سے بے خبر ہیں
شجر ایسے سراسر بے ثمر ہیں

خلاؤں میں اُڑیں یہ آرزو ہے
وہ طائر جو ابھی بے بال و پر ہیں

وہ ہیں جن کی سیاست کی دُکانیں
وہی سب کی نظر میں معتبر ہیں

نہیں جن سے میرا کوئی تعلق
کئی الزام ایسے میرے سر ہیں

خطائیں ہوتی ہیں ہر اِک سے سرزد
فرشتے تو نہیں ہم بھی بشر ہیں

بشیرؔ اِس سے نہیں اِنکار مجھ کو
غم و آلام میرے ہم سفر ہیں

اُس نے آگ ایسی لگائی خوش ہُوا
دل کی یہ دُنیا مِٹائی خوش ہُوا

اُس کی زلفوں میں مرا دِل قید تھا
جب مِلی اُس کو رہائی خوش ہُوا

رنج و غم کی داستاں گو تھی طویل
میں نے اِک پل میں سنائی خوش ہُوا

کیا کہوں کتنا کشادہ دِل تھا وہ
کرکے جو میری بُرائی خوش ہُوا

زندگی میں حق کی راہیں تھیں کٹھن
میں نے جب ٹھوکر ہے کھائی خوش ہُوا

زندگی میں اُس کے در پر عمر بھر
میں نے قسمت آزمائی خوش ہُوا

کیا کہوں اِک قید تھی یہ زندگی
پاکے میں اِس سے رہائی خوش ہُوا

بادشاہی کے عوض میں اے بشیؔر
جب فقیری میں نے پائی خوش ہُوا

کوئی غم بھی ہو اب اُٹھانا پڑے گا
کہ اس دِل کو پتھر بنانا پڑے گا

گوارا نہ کر پائے اِس کو وہ شاید
حقیقت کو اُس سے چھُپانا پڑے گا

اُسے ہے بہت طنز کرنے کی عادت
اُسے آئینہ اَب دِکھانا پڑے گا

نہیں بے سبب زندگی یہ ملی ہے
ہمیں قرض اِس کا چکانا پڑے گا

دِلوں کو مسلنے کی عادت اُسے ہے
ہمیں راہ پر اُس کو لانا پڑے گا

یہ تاریک راتیں ہیں کتنی بھیانک
کوئی چاند ہم کو اُگانا پڑے گا

بشیرؔ اُس کو ہے شوق سا دِل لگی کا
اُسے پیار کرنا سِکھانا پڑے گا

جن کا نہیں کوئی بھی ایمان بہت ہیں
اِس دَور میں اِس رنگ کے اِنسان بہت ہیں

اِس شہر میں کوئی نظر آتا نہیں اپنا
اِس شہر میں کھوجانے کے اِمکان بہت ہیں

یہ زندگی جور و ستم سے ٹوٹ چکی ہے
اِس زندگی پر آپ کے احسان بہت ہیں

یہ بات الگ اِن پہ عمل کوئی نہیں ہے
تقریریں بہت ہیں یہاں اعلان بہت ہیں

ہو بات کوئی رہتے ہیں خاموش وہ اس پر
لگتا ہے کئی دن سے پریشاں بہت ہیں

چہروں پہ نہیں اِن کے بشاشت کوئی باقی
اِس شہر میں سہمے ہوئے انساں بہت ہیں

ہم کس سے کہیں کون بشیرؔ اِن کو سُنے گا
مچلے ہوئے اِس دِل میں بھی ارماں بہت ہیں

دِل کی حالتِ اُسے دِکھانی تھی
اس لئے داستاں سنانی تھی

تھی مَیَسر جب آپ کی قربت
شام وہ کس قدر سُہانی تھی

تیز طوفاں تھا اور لہریں تھیں
ناؤ ایسے میں ڈگمگانی تھی

ماسِوا اُن کی تلخ یادوں کے
کون سی چیز غیر فانی تھی

تھی اُسے بھی تلاش دریا کی
لاش اُس نے کوئی بہانی تھی

بات دِل کی بشیؔر کر لیتے
وہ بھی مشہور اِک کہانی تھی

وہ لمحے زندگی کے کس قدر غم ناک ہوتے ہیں
کسی کی یاد میں جب ہم گریباں چاک ہوتے ہیں

نہیں ہیں کربلا سے کم جُدائی کے یہ لمحے
بیاں کیسے کروں کیسے اَذِیّت ناک ہوتے ہیں

کوئی بھی کر نہیں سکتا کسی صورت یہ اندازہ
کہ حق گو زندگی میں کِس قدر بے باک ہوتے ہیں

جہاں لٹتی ہے عصمت اور غیرت بکتی رہتی ہے
مناظر زِندگی کے ایسے عبرتناک ہوتے ہیں

کوئی بھی حرف آ سکتا نہیں اُن پر کسی صورت
نظر کے صاف ہوتے ہیں وہ دِل بے باک ہوتے ہیں

بشیرؔ اُن سے بہت محتاط رہ کر گفتگو کرنا
نظر آتے ہیں جو سادہ بڑے چالاک ہوتے ہیں

❁

تنہائی میں وہ ہم کو بہت یاد آئے ہیں
وہ جن کے لئے گیت محبت کے گائے ہیں

روشن کیئے تھے دِل کی منڈیروں پہ ہم نے جو
اُس نے وہ سب چراغ وفا کے بُجھائے ہیں

وہ بھی تو یاد کرتے ہیں ہم کو کبھی کبھی
ہم نے بھی اُن کی یاد میں آنسو بہائے ہیں

آنکھیں بچھائی جس کے لئے ہم نے راہ میں
اُس نے ہماری راہ میں کانٹے بچھائے ہیں

یہ گھر کہ جس میں کٹ گیا بچپن مرا تمام
میں نے اسی کی چھت پر کبوتر اُڑائے ہیں

نغمے لکھے تھے ہم نے محبت میں اے بشیؔر
نیلام کرنے آج اُن نغموں کو لائے ہیں

مری اُس سے جب بھی ملاقات ہوگی
نِگاہوں نِگاہوں میں ہر بات ہوگی

لگی چوٹ دِل پر اُمڈ آئے آنسو
یہ لگتا ہے اب کھل کے برسات ہوگی

بدلتا رہے گا ہر اِک شے کا محور
ابھی دِن ہے گُزرا ابھی رات ہوگی

یہ سوچا تھا ہر بازی ہم جیت لیں گے
کہاں تھی خبر یہ ہمیں مات ہوگی

نہیں روک سکتا سویرے کو کوئی
نہیں مستقل یہ سیہ رات ہوگی

مجھے عِلم ہے یہ وہ جب بھی ملیں گے
نہ یہ بات ہوگی نہ وہ بات ہوگی

اُنہیں بے وفا کہہ نہیں پائیں گے ہم
نہیں کھُل کے اُن سے کوئی بات ہوگی

بشیؔر اپنے دِل کو ملے زخم ہیں جو
محبت کی شاید یہ سوغات ہوگی

☆

اُن کی ہر اِک بات ہے اِقرار تک
لمحہ بھر میں آگئے اِنکار تک

اُن کی بیماری ہے یکسر لا علاج
بات پونچانا نہ یہ بیمار تک

دیکھنا ہم دھوپ میں جل جائینگے
ہم ہیں زندہ سایۂ دیوار تک

زندگی میں اُس کے دِیوانے ہیں جو
ایسے لوگوں کا نہیں گھربار تک

میری قربانی کا ہوگا ذِکر جب
سلسلہ پہنچے گا پھر یہ دار تک

میرا فِکر و فن ہے کتنا لا جواب
کر نہیں سکتا کوئی اِنکار تک

ہم محبت اُن سے کرتے ہیں بشیؔر
پھر بھی ہم کرتے نہیں اِظہار تک

ہر اِک دِل میں برابر ضُوفِشاں ہے
محبت ایک ایسی کہکشاں ہے

وہ جس کا تذکرہ وردِ زباں ہے
نہیں معلوم یہ رہتا کہاں ہے

نہیں جو با خبر راہوں سے مُطلق
تعجب ہے وہ میرِ کارواں ہے

ہمارے درمیاں ہے ربط اِتنا
کہ میں ہوں شعر وہ حُسنِ بیاں ہے

زمانے کی جسے تہذیب کہیئے
مری نظروں میں وہ اُردو زباں ہے

رواں ہوں زندگی کی رہ پہ لیکن
نہیں معلوم یہ جانا کہاں ہے

بشیرؔ اُس کے ہے دِل میں کیا وہ جانے
مگر اُس پر مُجھے اپنا گُماں ہے

❁

مجھے پھر اُس کی یاد آئی بہت ہے
گھٹا یہ دور تک چھائی بہت ہے

یقیناً ڈوب جاؤں گا کِسی دِن
کہ اِن آنکھوں میں گہرائی بہت ہے

لِپٹ تو جاؤں اُس سے جب ملے وہ
کروں کیا اس میں رسوائی بہت ہے

مجھے دیکھا ہے اُس نے مسکرا کر
یہ تھوڑی سی پذیرائی بہت ہے

سبب اسکا تو کوئی ہوگا آخر
جو میری آنکھ بھر آئی بہت ہے

یہ مانا دَور ہے اُس کے شہر سے
مگر دِل اُس کا شیدائی بہت ہے

بشؔیر اشعار تیرے دِلنشیں ہیں
کہ ان لفظوں میں گہرائی بہت ہے

حُسینوں کی طبیعت صورت سیماب ہوتی ہے
کبھی شعلہ کبھی شبنم کبھی پُر آب ہوتی ہے

اُسے معلوم ہے ہونگے کئی غم منتظر اُس کے
طبیعت جب بھی خوشیوں سے کبھی سیراب ہوتی ہے

یہ ایسا دور ہے جس میں ہے ہر شے کی فراوانی
فقط اِنساں میں اِنسانیت کم یاب ہوتی ہے

مسرّت میں بھی ہوتا ہے کبھی شُدّت کا وہ عالم
بشر کی آنکھ ایسے میں بہت پُر آب ہوتی ہے

یہ کہنا سخت مُشکل ہے کہاں یہ ٹوٹ جائے گا
حقیقت میں بشر کی زندگی اِک خواب ہوتی ہے

اگر اِک بار یہ ٹوٹے تو پھر جڑتا نہیں ہرگز
محبت زندگی کا اِک سُنہرا خواب ہوتی ہے

بشؔیر اِس کے بغیر آساں نہیں اِنسان کا جینا
محبت زندگی جینے کا ہی اسباب ہوتی ہے

آپ نے ہے دِل کو تڑپایا بہت
دید کی خاطر ہے ترسایا بہت

اُحتِساب اپنا میں جب کرنے لگا
بار ہا خود سے ہوں شرمایا بہت

یوں بھی میری زندگی کٹ جائے گی
مجھ کو تیری یاد کا سایہ بہت

میں سفینہ بن کے ہر طوفاں سے
بے دھڑک ہر بار ٹکرایا بہت

تھے نظر میں اُن کے قدموں کے نقوش
ورنہ دُنیا نے تو بہکایا بہت

مجھ کو ہو ایسے میں کس شے کی طلب
پاس ہے جب غم کا سرمایہ بہت

رو بہ رُو اعمال نامہ تھا بشیرؔ
دیکھ کر جس کو میں گھبرایا بہت

گاہ بگڑتا ہوں گہہ سنور تا ہوں
روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں

کرتا ہوں میں یقین اِس دِل پر
یہ کہے جو بھی کر گُزرتا ہوں

آپ جب بھی یاد کرلیں گے مُجھے
آؤں گا میں یہ وعدہ کرتا ہوں

سب سے تنہا رہا ہوں سینہ سپر
یہ غلط ہے کسی سے ڈرتا ہوں

حوصلہ میرا اور بڑھتا ہے
میں مصائب سے جب گزرتا ہوں

غم زدہ زندگی کے خاکے میں
میں محبت کا رنگ بھرتا ہوں

زندگی کے لئے ہوں جیتا بشیرؔ
زندگی کے لئے ہی مرتا ہوں

زندگی میں بہار تُم سے ہے
اس پہ ہر اِک نِکھار تُم سے ہے

مرے دِل میں جو رقصاں ہے ہر دم
یہ محبت یہ پیار تُم سے ہے

اس میں کوئی نہیں ہے ویرانی
زندگی لالہ زار تُم سے ہے

تُم سے رنگیں فضائیں ہیں قائم
موسم خوشگوار تُم سے ہے

ساری کلیاں ہیں مہکی مہکی سی
گُلستاں میں بہار تُم سے ہے

تُم سے وابستہ ساری اُمیدیں
دِل مرا ہم کِنار تُم سے ہے

اے بشیؔر اُس سے یہ کہوں کیسے
میرا صبر و قرار تم سے ہے

گُزری یادوں کی فقط پُروائی ہے
ساتھ میرے کچھ نہیں تنہائی ہے

غم بھی نکلے کس قدر ہیں کارگر
میں نے اِن سے زندگی بہلائی ہے

آگئی ہے دِل کی دُنیا میں بہار
جب بھی گُزری باتوں کی یاد آئی ہے

گو رہا ہوں اِن سے میں سینہ سپر
مُشکلوں سے مات پھر بھی کھائی ہے

مجھ سے کتنے ہی گُنہ سرزد ہوئے
اُن گناہوں کی سزا بھی پائی ہے

عمر بھر جس روشنی کی تھی تلاش
اپنے مَن میں ہی نظر وہ آئی ہے

آج کی دُنیا ہے کیا دُنیا بشیؔر
زندگی میں کس کو یہ راس آئی ہے

بے سبب ہے آپ کو اِس کا ملال
ہر کسی شے پر جہاں میں ہے زوال

کیا کبھی اِنسان بن پائیں گے ہم
ذہن میں آتا ہے اکثر یہ سوال

الجھنوں میں خود ہی پھنس کے رہ گئے
کس لئے کرتے ہو تم جینا محال

بھول جاتا ہے وہ اپنے اصل کو
کرتا ہے اِنسان جب کوئی کمال

ہے عمل کا ہی یہ سب رَدِ عمل
ہے نہیں آتا کسی کو یہ خیال

دِل دھڑکتا رہتا ہے پھر دیر تک
دِل کو تڑپاتا ہے جب اُس کا خیال

بس یہی دِل میں تمنّا ہے بشیؔر
کب ہو پھر اِنسان کا رُتبہ بحال

ایک وہ ہیں کچھ بھی جو کہتے نہیں
اور یہ ہم ہیں کہ چُپ رہتے نہیں

جی رہے ہیں ہم ہے کوئی مُدعا
ہم کہ تنکے کی طرح بہتے نہیں

اس پہ کرتے ہیں برابر احتجاج
خامشی سے ہم سِتم سہتے نہیں

ہم کہ ہر دیوار کی بُنیاد ہیں
صورتِ دیوار ہم ڈھتے نہیں

بات وہ کرتے ہیں جس کا ہو جواز
ہم کبھی جذبات میں بہتے نہیں

جو حقائق سے بہت ہی دور ہوں
ایسی باتیں ہم کبھی سہتے نہیں

جو نہیں محتاج ہوں پتوار کے
وہ سفینے دفعتاً بہتے نہیں

ہم بیاں کرتے ہیں اشکوں سے بشیرؔ
ہم زباں سے حالِ دِل کہتے نہیں

باقی ہے آسماں مہ و اختر نہیں رہے
دُنیا میں آج وہ حسیں منظر نہیں رہے

اکثر بدل کے رہ گیا ہر چیز کا مزاج
کانٹے نہیں رہے وہ گُلِ تر نہیں رہے

جور و ستم کو آزماتے ہیں کہیں وہ اور
جور و ستم کے ہم بھی اب خوگر نہیں رہے

شعر و سخن کا ہر جگہ اب بھی رواج ہے
لیکن وہ ذی خیال سخنور نہیں رہے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کرتے تھے بات جو
وہ اہلِ جنوں شعار اور دیدہ ور نہیں رہے

لے جاتے تھے جو منزلِ مقصود تک اِسے
وہ میر کارواں وہ اب رہبر نہیں رہے

جو غم زدوں کو دِل سے لگاتے تھے اے بشیؔر
ڈھونڈیں کہاں اُلفت کے وہ پیکر نہیں رہے

مے کدے کی سبیل ہوتی ہے
جب طبیعت علیل ہوتی ہے

کیسے سُن پائے تری رُوداد وہ
اُس کو فرصت قلیل ہوتی ہے

جس کو اِنساں گِرا نہیں سکتا
رسموں کی وہ فصیل ہوتی ہے

جو مصائب ہوں اُن کو سہنے کی
زندگی خود کفیل ہوتی ہے

کوئی حرکت ہو بے ضمیروں کی
سر بہ سر وہ ذلیل ہوتی ہے

اہلِ فن یوں ہی کچھ نہیں کہتے
اِس کے پیچھے دلیل ہوتی ہے

کم نہیں ہوتی یہ بشیؔر کبھی
عُمر غم کی طویل ہوتی ہے

❁

وہ جن کے دِلوں میں محبت نہیں ہے
جہاں میں کوئی اِن کی عزت نہیں ہے

لبوں پر ہیں ہر دم وفاؤں کے نغمے
مگر اُن کے دل میں محبت نہیں ہے

نہیں زندگی کا وہ حقدار ہر گز
اگر اِنسان میں کوئی غیرت نہیں ہے

ہیں اونچی اڑانوں کے دِل میں ارادے
خیالوں میں کوئی بھی رفعت نہیں ہے

چلیں رہبروں کے نقوشِ قدم پر
زمانے میں اب یہ روایت نہیں ہے

مساوات کی باتیں ہر دم ہیں کرتے
مگر دِل میں اُن کے وہ وسعت نہیں ہے

بشیرؔ آئینہ ہم دِکھائیں کیا اُن کو
جنہیں سچ کو سہنے کی عادت نہیں ہے

❁

محبت اِک کہانی ہوگئی ہے
کسی کی مہربانی ہو گئی ہے

کبھی تھیں زندگی میں اس کی قدریں
حکایت یہ پُرانی ہو گئی ہے

نہیں ممکن کہ ہم کو راس آئے
یہ دُنیا اب پُرانی ہو گئی ہے

ترے غم میں نِکل آئے ہیں آنسو
عجب میری کہانی ہو گئی ہے

کہا جو شکریہ ہر اِک ستم کا
نظر وہ پانی پانی ہو گئی ہے

کسی کو دیکھ کر سر کو جھکانا
وہ ماضی کی نِشانی ہو گئی ہے

نہ وہ غیرت نہ کوئی بھائی چارہ
بڑی مُفلس جوانی ہو گئی ہے

بشیؔر رُوداد تیری کیا کہیں ہم
کہ دِل کی ترجمانی ہو گئی ہے

نہیں ہے اُس پہ کسی طور اعتبار مجھے
جو کر گیا ہے ہر اِک غم سے ہمکنار مجھے

اگر ہے کہہ دیا بھولے سے میں نے سچ اُن سے
میں جانتا ہوں وہ کر دیں گے سنگسار مجھے

مجھے یقیں ہے اِس کا نہ آئے گا وہ کبھی
نہ جانے پھر بھی کیوں رہتا ہے انتظار مجھے

میں اُس کی بزم میں ہرگز نہیں ہوں جانے کا
بلائے شوق سے بے شک ہزار بار مجھے

نہ راس آسکا ماحول زندگی کا مجھے
قدم قدم پہ یہ رکھتا ہے دِلفگار مجھے

مجھے ہو ایسے میں کیا اُس کے دِل کا اندازہ
نہیں جب اپنے ہی دِل پہ اِختیار مجھے

بشیرؔ اِس کو یادِ رفتگاں کہیئے
بلاتا ہے ماضی سے کوئی بار بار مجھے

سب نے مری ہنسی اُڑائی ہے
سادگی میری رنگ لائی ہے

غیر محفوظ ہے ہر اِک کشتی
ناخُدا کی یہ ناخدائی ہے

عمر بھر ہم چلے رہِ حق پر
عمر بھر کی یہی کمائی ہے

دب گئی انگشت ہی دانتوں تلے
داستاں اُس نے وہ سنائی ہے

جرم جو اوروں سے ہوئے سرزد
ہم نے اُن کی سزا بھی پائی ہے

جو کسی طور مٹ نہیں سکتا
آپ کا شوقِ خود نُمائی ہے

جب بھی اُس کو ہے بھولنا چاہا
اُس کی شدّت سے یاد آئی ہے

اُس کی محفل سے دور تھا میں بشیرؔ
وہ نظر مجھ کو کھینچ لائی ہے

کسی دِل میں بھی غم خواری نہیں ہے
وہ پہلی سی وفاداری نہیں ہے

دِلوں میں جب خیال ہوتا تھا سب کا
جہاں میں اب وہ سرداری نہیں ہے

محبت اب کہاں جانے ہے اِنسان
اسے اِنسانیت پیاری نہیں ہے

بشر زِندہ رہے اُوروں کی خاطر
یہاں باقی وہ دِلداری نہیں ہے

یہ جو کچھ ہورہا ہے سرحدوں پر
کہیں کیسے یہ گُلباری نہیں ہے

ابھی آئے ہیں ہم کچھ سانس لیں گے
ابھی جانے کی تیاری نہیں ہے

بشیؔر اُن آنکھوں سے پھر کیا ہے حاصل
اگر اِن میں حیا داری نہیں ہے

درو دیوار پر پرچھائیاں ہیں
کہ میری ہر جگہ رسوائیاں ہیں

میں کتنا مطمئن ہوں زندگی میں
مری ہمراہ مری تنہائیاں ہیں

کہیں پہ شورِ ماتم کا ہے عالم
کہیں پر مستقل شہنائیاں ہیں

فضا میں گُنگُناہٹ سی ہے جاری
تری یادوں کی یہ پُروائیاں ہیں

بشیرؔ اِن سے ہے ظاہر مشق تیری
ترے شعروں میں جو گہرائیاں ہیں

نہیں ہے رہگُزر گرد و غُبار باقی ہے
وہ جا چُکے ہیں مگر اِنتظار باقی ہے

تمام راحتیں کب کی ہو چُکیں رخصت
دِلِ حزین میں غم پائیدار باقی ہے

ہر ایک بات کہی اُن سے کھُل کے پھر بھی
شِکایتوں کا اِس دِل میں غُبار باقی ہے

اب اِن حالات میں تو خُدا ہی حافظ ہے
امن تو ہو چکا رخصت اِنتشار باقی ہے

ہر ایک بات یہ کرتا ہے اُن کے کہنے پر
کہ میرے دل پہ اُنہیں اِختیار باقی ہے

بشیؔر وہ نبھا پائے نہیں کوئی وعدہ
میں کیا کروں کہ پھر بھی اعتبار باقی ہے

۞

نظر رنگین نظارا ڈھونڈتی ہے
یہ کوئی ماہ پارہ ڈھونڈتی ہے

کوئی آفت بھی ہو اِس زندگی میں
یقیناً گھر ہمارا ڈھونڈتی ہے

کہاں طوفان سے ٹکرا سکے گی
وہ کشتی جو کِنارا ڈھونڈتی ہے

نظر کہہ پائے جس سے اپنا غم بھی
یہ کوئی غم کا مارا ڈھونڈتی ہے

یہ تکتی رہتی ہے اکثر فلک کو
نظر کوئی ستارہ ڈھونڈتی ہے

بشیرؔ اِس زندگی کو کیا کہیں ہم
سمندر میں سہارا ڈھونڈتی ہے

کوئی سُنتا نہیں نادار کی بات
کہ کہتے ہیں اُسے بیکار کی بات

اپنی دانِست میں سب سے اعلیٰ ہیں
کیا سُنیں ہم سے خطا کار کی بات

غمِ دُنیا سے کسی کو بھی نہیں ہے فرصت
ایسے میں کیا کریں ہم اِنتظار کی بات

وہ جھُکا لیتا ہے نظریں اپنی
جب بھی کرتا ہوں اعتبار کی بات

یہ کسی طور کبھی نہیں رُکتا
کیا کروں وقت کی رفتار کی بات

وہ سراہتے ہیں جب میرے اشعار
کِس قدر ہے یہ اِفتخار کی بات

ہے دِکھاوے کا فقط دَور یہ بشیؔر
کیا کریں ایسے میں کِردار کی بات

یہ حسیں انتخاب مُشکِل ہے
برف میں ہو گلاب مُشکِل ہے

اُس نے کتنے سوال کر ڈالے
اِن کا کوئی جواب مُشکِل ہے

زندگی بھر اُٹھائے جو میں نے
اِن غموں کا حساب مُشکِل ہے

کیا کہوں حسیں چہرے سے
وہ ہٹائے نِقاب مُشکل ہے

زندگی بھر دیئے ہیں اُس نے جو
سہہ سکوں وہ عذاب مُشکِل ہے

جو نُمایاں ہے اُس کے چہرے سے
اِس قدر آب و تاب مُشکل ہے

اے بشیؔر اُن کی دستگاہ کے بغیر
روزِ محشر حساب مُشکِل ہے

جنوں طاری نہیں تو اور کیا ہے
فسوں کاری نہیں تو اور کیا ہے

کسی کے ظلم کو اِنصاف کہنا
طرف داری نہیں تو اور کیا ہے

چھُپا لینا دِکھا کر اپنا چہرہ
ادا کاری نہیں تو اور کیا ہے

کسی کے غم میں اپنی جان دینا
یہ غم خواری نہیں تو اور کیا ہے

نہیں جھکنا درِ باطِل پہ ہرگز
یہ خودداری نہیں تو اور کیا ہے

کسی کا دیکھ کر نظریں چُرانا
دِل آزاری نہیں تو اور کیا ہے

کوئی مذہب بھی ہو تعظیم کرنا
رواداری نہیں تو اور کیا ہے

بشیرؔ اپنا کوئی وعدہ نبھانا
وفاداری نہیں تو اور کیا ہے

بکھری ہے دہشت ہی دہشت چار سُو
جیسے ہے وحشت ہی وحشت چار سُو

اسقدر اِنسان بے غیرت نہ تھا
تھی کبھی غیرت ہی غیرت چار سُو

آج کے اِنسان کو یہ کیا ہوا
پھیلی ہے نفرت ہی نفرت چار سُو

اب کسی کو دیکھنے سے ڈر لگے
پہلے تھی ہر اِک کی عزّت چار سُو

ہے تمنا اِس دِلِ بے زار کی
اُس کی ہو برکت ہی برکت چار سُو

جس طرف بھی اُٹھتی ہے میری نظر
دیکھتا ہوں اُس کی صورت چار سُو

چاہتا ہوں میں فقط اِتنا بشیؔر
اُس کی ہو رحمت ہی رحمت چار سُو

ڈھل گیا سورج اندھیرا ہوگیا
کیا کہوں جو حال میرا ہوگیا

رات بھر سوئے رہے ہو بے خبر
جاگ جاؤ اب سویرا ہوگیا

بارہا یہ چل دیا برسے بغیر
بارہا بادل گھنیرا ہو گیا

کب چلی جائے جگا کر یہ الکھ
زندگی جوگی کا پھیرا ہوگیا

آج کے اس دور کو ہم کیا کہیں
یہ درندوں کا بسیرا ہوگیا

ہم تو غم کی قید میں پہلے ہی تھے
اب مصائب کی بھی گھیرا ہوگیا

بکھری بکھری سی صدائیں اے بشیرؔ
یہ جہاں بھوتوں کا ڈیرا ہوگیا

دُور وہ مجھ سے ہُوا ہے جانے کیوں
ہر گھڑی رہتا خفا ہے جانے کیوں

کرتا رہتا ہے جفائیں وہ مدام
پھر بھی لگتا باوفا ہے جانے کیوں

جس کو ہے میرا نہیں کوئی خیال
پھر بھی وہ میرا خدا ہے جانے کیوں

ٹُل گیا ہے وہ مٹانے پر مجھے
پھر بھی دل دیتا دُعا ہے جانے کیوں

کیا کہوں اس غم کی کیا تاثیر ہے
پھر بھی دِل پاتا مزا ہے جانے کیوں

جو بھی کرتا ہے وہ کرتا آپ ہے
ہم کو مِلتی پَر سزا ہے جانے کیوں

بارہا میں سوچتا ہوں اے بشیرؔ
دِل مرا غمگین سا ہے جانے کیوں

بچنے کی کوشش تو بہت کی قُدرت کو منظور نہ تھا
ناؤ چلانے والے بھی تھے ساحل بھی کچھ دُور نہ تھا

اُس نے سوچا گھبرا کر خود ہی دام میں آئے گا
سستے داموں میں بک جاتا میں اِتنا مجبور نہ تھا

دونوں جہاں کے مالک کی عظمت دل میں قائم تھی
سر نہ جھکاتا اُس کے در پر اِتنا میں مغرور نہ تھا

وہ سمجھے تھے غربت میں یہ خود داری کو بھولے گا
دستِ طلب میں پھیلاتا اس درجہ بھی معذور نہ تھا

ناحق میری مدہوشی پر دھرتے ہیں وہ سب اِلزام
اُن کے بلاوے کو ٹھکراتا اِتنا میں مخمور نہ تھا

ہم نے مانا وہ بھی کہتا ہے اچھے اشعار بشیرؔ
گھر گھر اُس کے چرچے ہوتے اِتنا بھی مشہور نہ تھا

اِک نیا پیغام لے آئیں گے
جب پرندے گھونسلوں میں جائیں گے

وعدہ کرتے ہیں وہ آنے کا مگر
کیا کبھی اِس کو نِبھا بھی پائیں گے

راستہ دشوار موسم بھی خراب
ہم کہاں اِس حال میں گھر جائیں گے

اُن کی یہ آنکھیں چھلک ہی جائیں گی
کھول کر ہم دِل اگر دِکھلائیں گے

اپنے دل پر بھی نہیں اب اِختیار
ایسی باتیں کس کو ہم سمجھائیں گے

ہے یہی اُمید دل میں اے بشیؔر
''لوٹ کر اِک دِن وہ آخر آئیں گے''

کیا کہوں میں کس قدر گھبرائیں آنکھیں تری
رو بہ رو پاکر مجھے شرما گئیں آنکھیں تری

پاس رہ کر پھول کی صورت مہکتی تھیں مدام
دور مجھ سے کیا ہوئیں مُرجھا گئیں آنکھیں تری

کیا اذیت ناک منظر تھا وہ جب بچھڑے تھے ہم
دیکھتے ہی دیکھتے پتھرا گئیں آنکھیں تری

زندگی میں میں کسی صورت بُھلا سکتا نہیں
مستیوں کے جام جب چھلکا گئیں آنکھیں تری

زندگی کے ہر قدم پر میں بکھر کر رہ گیا
جب بھی آنکھوں سے مری ٹکرا گئیں آنکھیں تری

وہ اگر مل جائے تو اِتنا کہوں اُس سے بشیؔر
ظُلمتوں میں روشنی پھیلا گئیں آنکھیں تری

کیا ہوگیا پچھتانے سے   سمجھے نہ دِل سمجھانے سے

دریا میں جب کود گئے   کیا ہوگا اب گھبرانے سے

چلتے چلتے رُکتے ہو   ڈرتے ہو گھر جانے سے

زخم ہیں جتنے بھی دل میں   ڈرتا ہوں دِکھلانے سے

اپنے دل کی خاک کہوں   کام پڑا دیوانے سے

اُن آنکھوں سے پیتا ہوں   مجھ کو کیا میخانے سے

کوئی اُس سے پوچھے بشیؔر   کیا حاصل تڑپانے سے

مجھے خبر نہیں کِس کا ہے انتظار مجھے
کہ ایک پل بھی میسر نہیں قرار مجھے

خزاں ہوں سربسر ہرگز نہ رُکنے والا ہوں
کہاں یہ گلستاں میں ڈھونڈے گی بہار مجھے

تمام زیست کٹی تلخ تجربوں میں مری
نہیں کسی پہ بھی دُنیا میں اعتبار مجھے

یہ چاہتا ہوں کہ سب کو مسل کے رکھ دوں میں
بَنا گئی یہی خواہش گناہ گار مجھے

میں حق پرست ہوں معلوم ہے مجھے انجام
تمام زندگی ہُونا ہے سنگسار مجھے

وہ رُو بہ رُو ہوں میرے اور میرا دَم نِکلے
بشیؔر ایسی گھڑی کا ہے انتظار مجھے

خیالوں میں عجب اِک بے بسی ہے
بڑی افسُردہ میری زندگی ہے

تبسُم میں بھی شامل اِک بناوٹ
نہیں دِل کی لگی یہ دِل لگی ہے

نہیں جب ہم سفر وہ زندگی میں
ادھوری کِتنی میری زندگی ہے

دِل تاریک میں بھی ہوا اُجالا
چراغوں میں کہاں وہ روشنی ہے

پیامِ زیست کے نغمے سناؤ
بیانوں میں سراسر بے بسی ہے

ہوئی ہے کس قدر تنقید اس پر
اِک ایسی داستاں جو بے کہی ہے

بشیرؔ اشعار میں تیرے نہیں کچھ
مگر لفظوں میں بے حد دِل کشی ہے

دُشمنی موجود لیکن دوستی نایاب ہے
اِس جہاں میں اِک سکونِ زندگی نایاب ہے

ظلمتیں پھیلی ہوئی ہیں اور غائب روشنی
غم ہی غم ہیں چار سو لیکن خوشی نایاب ہے

سوچتے ہیں ہم بھی وابستہ ہوئے کِس دور سے
لے رہے ہیں سانس لیکن زندگی نایاب ہے

جس کو سُنتے ہی تڑپ اٹھتا تھا دِل اِنساں کا
آج کے اِس دور میں وہ شاعری نایاب ہے

یوں تو ہر اِک کو ہے دعویٰ رہنمائی کا یہاں
حق کی رہ پر لے چلے وہ رہبری نایاب ہے

ہم بھی کِس ماحول میں جیتے رہے ہیں اے بشیرؔ
آدمیت کیا ملے جب آدمی نایاب ہے

❁

سب میں اُس کا ظہور ہوتا ہے
اُسکا ہر سمت نُور ہوتا ہے

جو سمجھ پائے معجزے اُس کے
کِس میں اِتنا شعور ہوتا ہے

آ ہی جاتا ہے وہم کی زد میں
جو حقائق سے دُور ہوتا ہے

اپنے دَم سے ہے رونقِ دُنیا
ہم کو نا حق غرور ہوتا ہے

ایسا ممکن نہیں کہ ٹل جائے
ہو نا ہو جو ضرور ہوتا ہے

اِس کو ملتی نہیں سزا یوں ہی
آدمی کا قصور ہوتا ہے

اُس کی ہلکی سی بدگمانی سے
دل مرا چور چور ہوتا ہے

بس چُکا جو بشیؔر اِس دل میں
کب وہ نظروں سے دُور ہوتا ہے

❁

مُشکل نہیں تو زندگی آساں بھی نہیں ہے
اِس دور میں اِنساں کوئی شاداں بھی نہیں ہے

میں خاک تھا اُس نے بنایا خاک سے پُتلا
مجھ پر میری یہ زندگی احساں بھی نہیں ہے

خاموش سا رہتا ہے یہ دِل اُس کے سِتم پر
گریاں بھی نہیں ہے تو یہ خنداں بھی نہیں ہے

وعدے پہ یہاں کوئی بھی رہتا نہیں قائم
یہ دِل مگر اس بات پر حیراں بھی نہیں ہے

دُنیا کے اِس بازار میں اِنساں کی قیمت
سستی بھی نہیں ہے تو یہ ارزاں بھی نہیں ہے

کہتا تھا کوئی شخص یہ مے خانے کے باہر
اِخلاص نہ ہو جس میں وہ اِنساں بھی نہیں ہے

کیا کیا نہ دیا ہے مرے دِل کو جہاں نے
وہ زخم کہ جِن کا کوئی درماں بھی نہیں ہے

حیرت ہے بشیرؔ اپنے گُناہوں پہ کوئی بھی
نادم بھی نہیں ہے اور پشیماں بھی نہیں ہے

❁

ہم محبت نبھا نہیں پائے
اُن کو اپنا بنا نہیں پائے

سربسر پیار کا ہو جو مَسکن
ہم وہ دُنیا بَسا نہیں پائے

ملنے کو وہ ملے ہیں لیکن ہم
حال دِل کا سُنا نہیں پائے

وہ نہ افسردہ ہوں اِسی باعث
اشک تک ہم بہا نہیں پائے

اُن سے بچھڑے ہیں جب محبت میں
دِل کہیں پھر لگا نہیں پائے

جو بھی گُزری وہ اُن سے کہہ ڈالی
کچھ بھی اُن سے چھُپا نہیں پائے

یہ حقیقت ہے زندگی میں بشیؔر
ناز اُن کے اُٹھا نہیں پائے

بتاؤں کِس طرح کِتنے کڑے ہیں
یہاں ہر بات پر پہرے بڑے ہیں

کسی کی یاد نے آنکھوں میں اکثر
محبت کے کئی موتی جڑے ہیں

بزرگوں نے جو چھوڑی تھی وراثت
ہم آپس میں اُسی پر لڑے ہیں

نہیں جِس بحث کا کوئی بھی حاصل
تعجب ہے کہ ہم اِس میں پڑے ہیں

ہمارے اپنوں کی ہیں دَین سارے
مصائب جتنے بھی ہم پر پڑے ہیں

مسلسل خامشی ہے اِن لبوں پر
نہ جانے کس تذبذُب میں پڑے ہیں

بشؔیر اُن سے یقیناً ڈر ہے لگتا
ادب میں جن کے قد ہم سے بڑے ہیں

زندگی میں ہر قدم معذور ہے
اس پہ بھی اِنساں بڑا مغرور ہے

دانشوری کا دعویٰ ہے اِنسان کو
اصلیت سے وہ بہت ہی دُور ہے

رنگ کتنے ہی بدلتا ہے بشر
اپنی ہی اِس ذات میں محصور ہے

آج کے اِس دَور میں ہر آدمی
چہرہ سازی میں بہت مشہور ہے

بات کوئی بھی یہ کر سکتا نہیں
آدمی ہر بات میں مجبور ہے

اُس کا دعویٰ مِل گئی منزل مجھے
جو ابھی منزل سے کافی دُور ہے

زندگی کاٹے گا وہ کیسے بشیرؔ
زندگی میں جو بھی غم سے چُور ہے

عروض و فن سے میں نا آشِنا ہوں
مگر اشعار پھر بھی کہہ رہا ہوں

نہیں ہے شاعری کا مجھ کو دعویٰ
میں اس پر بھی برابر کہہ رہا ہوں

مجھے معلوم ہے اوقات میری
اسی باعث میں چھُپتا پھر رہا ہوں

مرے دِل میں کوئی بھی غم نہیں ہے
مگر میں ہُوں کہ پھر بھی غم زدہ ہوں

نہیں اب فرق کوئی جھوٹ سچ میں
مگر اس پر میں کتنا سیخ پا ہوں

بشیؔر اِن پر نہ کوئی معترض ہو
میں اپنی لغزشوں سے ڈر رہا ہوں

❁

ہر ستم اُن کا مجھے سہنا پڑا
کوئی مجبوری تھی چُپ رہنا پڑا

اِک شکستہ ناؤ کی صورت مجھے
دیر تک طوفان میں بہنا پڑا

اِن میں رہنا اس قدر آساں نہ تھا
مجھ کو جن حالات میں رہنا پڑا

ایک دیرینہ تعلق کے سبب
ہر جفا کو ہے وفا کہنا پڑا

بارہا ہونٹوں پہ آئی دِل کی بات
بارہا خاموش ہی رہنا پڑا

کیا بتائیں کچھ عجب حالات تھے
مجھ کو غم کے روبرو رہنا پڑا

تھے بشیرؔ اِنسانیت سے دُور جو
ایسے لوگوں کو بھی تو سہنا پڑا

اگر گردش میں کوئی جام آجائے تو کیا ہوگا
دلِ مُضطر کو کچھ آرام آجائے تو کیا ہوگا

سبھی ہیں پوچھتے مجھ سے سبب اس خستہ حالی کا
زباں پر آپ ہی کا نام آجائے تو کیا ہوگا

تسلی تو دلِ ناداں کو ہم دیتے رہے اَب تک
اگر اُن کا کوئی پیغام آجائے تو کیا ہوگا

کسی پر بے سبب تہمت لگانا تیری عادت ہے
اگر تُجھ پر کوئی الزام آجائے تو کیا ہوگا

ابھی اِظہار سے ناآشنائی ہے مری بے شک
میرے لب پر تمہارا نام آجائے تو کیا ہوگا

بشیؔر اِس دِل میں اُس کی آہٹیں ہیں جاگزُین اب بھی
وہ پہلی سی سُہانی شام آجائے تو کیا ہوگا

جو نہیں کہنا تھا وہ بھی کہہ گئے
جب کبھی جذبات میں ہم بہہ گئے

جانتے تھے ہم بہت نازک ہے دِل
پھر بھی ہر اِک چوٹ اِس پر سہہ گئے

وہ سمجھ پائے نہیں ہرگز اسے
خامشی سے ہم بہت کچھ کہہ گئے

اہلِ دُنیا کی زباں پر دیر تک
داستاں کی شکل میں ہم رہ گئے

ہم سے وہ کرتے رہے کیسا سلوک
ہم کہ اُن کو دیکھتے ہی رہ گئے

زندگی میں اُن سے کیا بچھڑے بشیؔر
ہر قدم پر ہم بکھر کر رہ گئے

ذِکر شمس و قمر کا کرتے ہیں
جب اندھیروں سے ہم گزرتے ہیں

کھل کے طوفاں سے بات کرتے ہیں
ڈوبنے والے جب اُبھرتے ہیں

جب کبھی خود سے لوگ مِلتے ہیں
اپنی ہی ذات سے وہ ڈرتے ہیں

کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے تخلیق
ذہن پر رنگ جب بکھرتے ہیں

کیا کہیں کیا زمانہ آیا ہے
حق بیانی سے لوگ ڈرتے ہیں

جب ہوں اعمال ہی بُرے اُن کے
اپنے سائے سے لوگ ڈرتے ہیں

اُن کی کوئی کمی نہیں ہے بشیرؔ
اپنے وعدے سے جو مُکرتے ہیں

خونِ دِل کا بہانا پڑتا ہے
غم میں بھی مسکرانا پڑتا ہے

دِل کے جو بھی قریب ہوتے ہیں
اُن سے دھوکا بھی کھانا پڑتا ہے

ہم کہ اُن سے وفائیں کرتے ہیں
فرض ہم کو نبھانا پڑتا ہے

ہم ہیں مجبور اُن کی محفل میں
بِن بُلائے بھی جانا پڑتا ہے

بارہا نظروں ہی نظروں میں
حال دِل کا سُنانا پڑتا ہے

اُن کی توقیر ہے بسی دِل میں
احتراماً سر جھُکانا پڑتا ہے

اے بشیؔر اُن حسین آنکھوں میں
بار ہا ڈوب جانا پڑتا ہے

اگر ساتھ اُن کے بسر رات ہوگی
کہاں پھر بھی پوری کوئی بات ہوگی

یہ سورج مسلسل جلائے گا ہم کو
نہ سایہ ملے گا نہ برسات ہوگی

محبت کے ماروں کو یہ غم نہیں ہے
کہاں صبح ہوگی کہاں رات ہوگی

یقیناً تجھے روزِ محشر سُنیں گے
اگر لب پہ تیرے مناجات ہوگی

خدا ہی سے پوچھیں گے اپنی حقیقت
کہ جب اُس سے اپنی ملاقات ہوگی

یہ مانا تو جائے گا اُس انجمن میں
مگر کیا تری اِتنی اوقات ہوگی

چلو میکدے کو بشیرؔ آزمائیں
سُنا ہے وہاں پر مساوات ہوگی

اپنی ساری مُشکلیں آساں کر
زندگی میں جینے کا ساماں کر

ہم کہاں کہتے ہیں اپنے دِل کا حال
بات کی ہے اُن کو اپنا جان کر

مٹی میں بھی سونا ہوتا ہے نہاں
دیکھ لیتے ہیں اسے ہم چھان کر

دیش کی خاطِر ہَے تیری زندگی
دیش کی خاطِر اسے قربان کر

میرے دِل کو اور زخموں سے نواز
ہو سکے تو مُجھ پہ یہ اَحسان کر

سر بہ سجدہ ہے ترے دَر پر بشیرؔ
اِس کو بھی مولا عطا ایمان کر

تعصّب کے سائے میں پلتے رہے ہیں
سیاست کے خانوں میں بٹتے رہے ہیں

نہ جانے کہاں سے یہ آئی ہے نفرت
محبت کو ہم سب ترستے رہے ہیں

تصوّر بھی باقی نہیں دوستی کا
کہ نفرت کے شعلے دہکتے رہے ہیں

کہاں تک کوئی آزمائے گا ہم کو
کہ ہم وقت کے ساتھ چلتے رہے ہیں

ہوئی زندگی میں یہ لغزش بھی ہم سے
کہ سب پر بھروسہ جو کرتے رہے ہیں

بشؔیر اہلِ دُنیا میں کس سے کہیں ہم
یہ کس آگ میں ہم جھُلستے رہے ہیں

۞

جِسے دَیر و حرم میں ڈھونڈتا ہے
ہر اِک ذرّے میں وہ جلوہ نُما ہے

فقط ہم دوسروں کے کام آئیں
یہاں آنے کا مقصد اور کیا ہے

ہے میری رائے کتنی مختصر سی
مری نظروں میں وہ میرا خدا ہے

وفا سب سے نبھاتا جا رہا ہوں
مجھے تسلیم یہ میری خطا ہے

ہیں سب سے مختلف انداز میرے
مری ہر بات دُنیا سے جدا ہے

ڈُبونا چاہتا ہے کیوں وہ اِس کو
سفینے کا اگر وہ نا خُدا ہے

بشیرؔ آئے ہیں ہم آخر کہاں یہ
جہاں ہر گام پر محشر بپا ہے

کیا کہیں ہم اپنے دِل کی داستاں
آپ کو سُننے کی ہے فرصت کہاں

دُور ہیں جس سے غموں کی ظلمتیں
اُن کی یادوں کی ہے دِل میں کہکشاں

آج تک ایسی نہ کوئی آگ تھی
بِکھرا ہے چاروں طرف کیسا دُھواں

جن کی خاطِر زندگی قربان ہے
مُجھ سے رہتے ہیں وہ اکثر بدگُماں

کارواں کا کیا ملے ہم کو سراغ
کھو گیا ہے خود بھی میرِ کارواں

کیا کہیں جائے گا یہ رستہ کہاں
زندگی مُدّت سے ہے جس پر رواں

دَخل کوئی بھی نہ دے اس میں بشیؔر
بات جب ہو اُن کے میرے درمیاں

✪

غم کا بحرِ بیکراں میرے لئے
ہر قدم ہے اِمتحاں میرے لئے

میری خاطر ہر ستم مخصوص ہے
وہ ہے کتنا مہرباں میرے لئے

راہ میں بکھری ہوئی ہے دُور تک
حادِثوں کی کہکشاں میرے لئے

برق سُوزاں کِس قدر ہے بے قرار
کب بنے گا آشیاں میرے لئے

ایسے میں کچھ بھی نظر آتا نہیں
چار جانب ہے دھواں میرے لئے

اُس کا آخر کوئی ہوگا ناخدا
جو سفینہ ہے رواں میرے لئے

زندگی میں ہر قدم پر اے بشیؔر
اِک بلائے ناگہاں میرے لئے

قہرِ آسا سے ہیں کچھ جذبات اور
دَہر میں ہے صورتِ حالات اور

شک نہیں کوئی سیاست کے طفیل
رنگ بدلیں گے ابھی حالات اور

جیسے ہیں حالات اُن کو دیکھ کر
دِل میں پیدا ہوتے ہیں خدشات اور

غم سے ہو جائیگی بدتر زندگی
ایسی بَرسے گی ابھی برسات اور

حق پرستی کے وہ جب قائل نہیں
چل نہیں پائیں گے میرے ساتھ اور

اُن کو فرصت ہی کہاں ہے اے بشیرؔ
وہ سُنیں گے خاک میری بات اور

ہر کوئی رنج و الم سے چُور ہے
پھر بھی جینے کے لئے مجبور ہے

جس کو بھی حاصل یہاں ہے اِقتدار
دیکھئے وہ کِس قدر مغرور ہے

یہ زمانہ سب کو دیتا ہے فریب
اس زمانے کا یہی دستور ہے

سربسر میری نظر کا ہے قصور
وہ کہاں ورنہ نظر سے دور ہے

جذب ہے اس میں وہ ہر اِک رنگ سے
جو بھی ذرّہ ہے سراسر نُور ہے

کیا بتاؤں یہ ہے اُس کا مُعجَزہ
گُلستاں میں جو بھی رنگ و نُور ہے

کس سے پوچھوں راستے میں اے بشیرؔ
میری منزل اور کتنی دُور ہے

غموں میں ڈوبی صدائیں کہاں سے آتی ہیں
یہ سُوگوار ہوائیں کہاں سے آتی ہیں

دعائیں دیتے ہیں ہم ہر کسی کو جینے کی
تو مرنے کی یہ صدائیں کہاں سے آتی ہیں

نہیں ہے کوئی بھی مَحفُوظ اِن سے دُنیا میں
یہ بگڑی بگڑی فِضائیں کہاں سے آتی ہیں

نہ جانے ہوتے ہیں ہم سے کیوں بُرے اعمال
ہمارے دِل میں خطائیں کہاں سے آتی ہیں

نہیں ہے کچھ بھی وفا کے سِوا میرے دِل میں
کسی کے دِل میں جفائیں کہاں سے آتی ہیں

گئے وہ دِن کوئی کہتا تھا بارہا ہم سے
یہ میٹھی میٹھی صدائیں کہاں سے آتی ہیں

بشیؔر میں تو بُرائی سے دُور رہتا ہوں
مرے لئے یہ سزائیں کہاں سے آتی ہیں

ما سِوا اِس کے نہیں ہے کوئی کام
سازشیں وہ کرتا رہتا ہے مُدام

جو حقیقت ہے ہوں اُس سے با خبر
ظاہراً اُس کو ہے میرا احترام

غم سے میں تنہا رہا سینۂ سپر
کون ایسے میں ہے آیا میرے کام

عزت و حرمت سے جو واقف نہیں
کیا وہ لائیں گے زباں پر میرا نام

جام چھلکاتی ہیں جو شام و سحر
زندگی میری ہے اُن آنکھوں کے نام

خود فریبی سے میں بچتا ہوں بشیؔر
دُور سے کرتا ہوں میں اُس کو سلام

چھین لی دُنیا نے میری ہر خوشی
کس طرح گزرے گی اب یہ زندگی

دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیا ہوا
بُجھ گئی جیسے ہو دِل کی روشنی

مجھ سے وہ ٹکرائے تھے کچھ اس طرح
جیسے مُدّت کی ہے مجھ سے دُشمنی

میں کسی سے کہہ نہ پایا حالِ دِل
رہ گئی ہر بات ہونٹوں میں دبی

اِتنا ہوں بے زار اپنے آپ سے
سوچتا ہوں کیوں نہ کر لوں خُودکشی

دیکھیئے زندہ ہوں کِن حالات میں
ہنس رہی ہے مجھ پہ میری بے بسی

فرق ہے دونوں میں کتنا اے بشیؔر
کل بھلی تھی اب اپاہج زندگی

بھول جاتا ہے سزاؤں کا حساب
یاد ہے اُس کو خطاؤں کا حساب

زندگی گُزری ہے اُس کے سائے میں
ذہن میں ہو کیا خطاؤں کا حساب

ما سِوا اس کے میں کچھ کرتا نہیں
یاد کیا رکھوں دُعاؤں کا حساب

آپ ہر اِک بات کو لکھتے رہے
لکھ نہ پائے میری آہوں کا حساب

آپ کو ہر احساں اپنا یاد ہے
کیا ہوا میری وفاؤں کا حساب

مل سکے ممکن ہے ساقی سے بشیرؔ
مے کدے میں پارساؤں کا حساب

کِس قدر دل کشادہ رکھتے ہیں
لوگ جو جھونپڑوں میں رہتے ہیں

ایک ہی حُجرے میں وہ رہ کر بھی
سب کو خوش آمدید کہتے ہیں

حال ظاہر کہاں وہ کرتے ہیں
کرب دِل کا چھُپا کے رکھتے ہیں

کچھ بھی ہو آپ چُپ سے رہتے ہیں
لوگ کیا کیا نہ اس پہ کہتے ہیں

مسکراہٹ ہے اُن کے ہونٹوں پر
اور آنکھوں سے اشک بہتے ہیں

دھوپ اور سردیوں کے جھاڑے میں
دل پہ ہر اِک ستم یہ سہتے ہیں

سب برابر ہیں اپنی نظروں میں
سب کو ہی ہم عزیز رکھتے ہیں

بارِ خاطِر ہے ہر کسی کو بشؔیر
وہ اگر میرے قریب رہتے ہیں

لبوں پہ ذکر غم خواروں کا ہوگا
فسانہ درد کے ماروں کا ہوگا

اِضافہ جو کریں گے دِل کے غم میں
یہ قصّہ بھی جفا کاروں کا ہوگا

نہیں اِس کا تعلق دِن سے کوئی
کہ جلوہ رات کے تاروں کا ہوگا

کہاں سے چارہ گرلائیں گے کوئی
کہ سارا شہر بیماروں کا ہوگا

غریبوں کی یہاں وقعت نہ ہوگی
زمانہ صرف زَر داروں کا ہوگا

ہر اِک شے کی بڑے گی قدر و قیمت
خسارہ تو ادب پاروں کا ہوگا

بشیرؔ اِس پر نہ شاید چل سکیں وہ
وفا کا راستہ خاروں کا ہوگا

جو وعدے سے اپنے مُکرتے رہے ہیں
خراب عاقبت اپنی کرتے رہے ہیں

خطاؤں پہ بھی جو پشیماں نہیں ہیں
وفاؤں کا دَم وہ بھی بھرتے رہے ہیں

یہ مانا کہ مرنا ہے اِک دِن سبھوں کو
کہاں موت سے پھر بھی ڈرتے رہے ہیں

نہیں سوچتے اِس کے انجام کو ہم
یہاں زندہ رہنے کو مرتے رہے ہیں

خوشی میں کسی کی بھی پروا نہیں ہے
مصائب میں اکثر بکھرتے رہے ہیں

سدا اُن کے پاؤں میں پڑتے ہیں چھالے
جو راہِ وفا سے گُزرتے رہے ہیں

بشیؔر اہمیت اُن کی بڑھتی بہت ہے
یہاں ڈوب کر جو اُبھرتے رہے ہیں

کتنے حسیں خواب وہ دکھلا کے چل دیا
باتوں ہی باتوں میں مجھے بہلا کے چل دیا

فرقہ پرستی کے سبب پھیلی ہوئی تھی جو
اُس آگ کو وہ اور بھی بھڑکا کے چل دیا

حالات تو پہلے ہی تھے نازک بہت یہاں
ماحول کو وہ اور بھی گرما کے چل دیا

اُس کے خلاف لوگ صف آراء تو تھے مگر
مانندِ موم قوم کو پگھلا کے چل دیا

ہر کوئی اُس کو دیکھتا ہی رہ گیا ہے بس
لوگوں کو جادو کئی دِکھلا کے چل دیا

تعریف اِس کی کیا کریں ہم اور اے بشیؔر
ہم کو ہمارے خون میں وہ نہلا کے چل دیا

شب ڈھلی سورج بکھر جائے گا اب
ایسے میں کوئی کدھر جائے گا اب

تیرگی اندر بھی ہے باہر بھی ہے
آدمی تو خود سے ڈر جائے گا اب

جو نہ ہونا تھا وہ ہو ہی جائے گا
آدمی کیا کیا نہ کر جائے گا اب

ہے کہاوت بے حیا ہوتی ہے رات
سر سے پانی بھی گُزر جائے گا اب

جس کسی کو بھی مصائب کا ہے خوف
موت سے پہلے ہی مرجائے گا اب

زندگی تاریک ہو جب اے بشیؔر
اِس کا شیرازہ بکھر جائے گا اب

مرا دِل مُطمئن ہے مُنتظر ہے
سفر جو آخری پیشِ نظر ہے

جہاں پر سانس اٹکے ختم ہے یہ
حکایت زِندگی کی مختصر ہے

کبھی تنہا نہیں میں زندگی میں
غموں کی بھیڑ ہے اور چشم تر ہے

نہ تقویٰ ہے نہ زُہد و نیک نامی
شفاعت پر اُسی کی بس نظر ہے

ہے اِس دُنیا کی ہر تنقید مُجھ پر
مری ہر بات پر اُس کی نظر ہے

غمِ دنیا بھی لازم ہے جہاں میں
مگر یہ غم اٹھانا عمر بھر ہے

بشیؔر اِس زِندگی میں ہم نے جانا
غمِ عقبیٰ ہی سب سے معتبر ہے

نظروں میں جب ہے تُو ہی تُو کِس کی یہ پھر تلاش ہے
جَلوہ ترا ہے چار سو کِس کی یہ پھر تلاش ہے

پھولوں میں دِل کشی تری اِن میں شُگفتگی تری
تُو ہے ہمیشہ روبہ رو کِس کی یہ پھر تلاش ہے

ترے بغیر دہر میں اُٹھتا نہیں کوئی قدم
رہتا ہے سب کے ساتھ تو کِس کی یہ پھر تلاش ہے

قائم ہیں تیرے دم سے ہی زندگی کے سلسلے
تو ہی دلوں کی آرزو کِس کی یہ پھر تلاش ہے

ظاہر ترا بھی پاک ہو باطِن بھی پاک ہو بشیؔر
جذبِ دروں ہو باوضو کِس کی یہ پھر تلاش ہے

جو کوئی اُس کی عبادت سے ہے دُور
در حقیقت وہ حقیقت سے ہے دُور

اُس کے در پر جو ہو ہر دم سجدہ ریز
بس وہی رہتا مُصیبت سے ہے دور

بے مشقت، خواہ مخواہ مل جائے جو
وہ کمائی اُس کی برکت سے ہے دُور

جو کسی کو دے کے دُکھ ہو شادماں
بس وہی اِنسانیت سے ہے دُور

حق غریبوں کا نہ جو کرلے ادا
وہ یقیناً اُس کی رحمت سے ہے دُور

سب کے دُکھ سُکھ میں جو کام آتا رہے
وہ نہیں اُس کی عنایت سے ہے دُور

سر تو سجدے میں ہی رکھتے ہو بشیرؔ
دِل مگر اُس کی محبت سے ہے دُور

اَثر ہونے لگا شاید دُعا میں
کہ دِل لگنے لگا راہِ خُدا میں

ہے بے شک خار زاروں کا یہ رستہ
مگر میں چل پڑا راہِ وفا میں

یہ اُس کا کام ہے کَب کیا عطا ہو
بُہت راضی ہیں ہم اُس کی رضا میں

فنا کر دیتا ہے پروانہ خود کو
کہ ہوتا راکھ ہے ذُوقِ فَنا میں

یہ سب ہونے نہ ہونے کا تماشا
نہ ہونا ہی جو ہوتا ہے وفا میں

زمانے کی ہوا سے بچ کے رہنا
بلا کی ہے کشش اس کی ادا میں

عمر تیزی سے کٹتی جا رہی ہے
کہ اب مُدَّت نہیں باقی قضا میں

بشیرؔ ہم اُس گھڑی کے منتظر تھے
کہ کب لگ جائے دِل عشقِ خدا میں

میں اُس کے شہر میں گُم ہوگیا ہوں
کہوں میں کیا کہاں پر کھو گیا ہوں

یہ پاؤں چھِلنی ہوتے جارہے ہیں
میں اپنی رہ میں کانٹے بو گیا ہوں

بچا رکھے تھے جو بھی اُس کی خاطر
اُن اشکوں سے یہ دامن دھو گیا ہوں

نہ مل پایا کہیں سایہ شجر کا
کسی صحرا کی جانب جو گیا ہوں

میں جس کو ڈھونڈنے نِکلا تھا گھر سے
اُسی کے در پہ جاکر کھو گیا ہوں

بشؔیر لب بَستہ ہُوں میں اُس کے آگے
سُنانے حالِ دِل جس کو گیا ہوں

زندگی جب بے نِشاں ہو جائے گی
اِک حقیقت داستاں ہو جائے گی

کوئی شے بھی مستقل رہتی نہیں
ہر خوشی اِک دِن دھواں ہو جائے گی

زندگی کا کچھ نہیں ہوگا وقار
وہ نظر جب بدگماں ہو جائے گی

غم زدوں کی داستاں ٹھہری الگ
سسکیوں سے یہ بیاں ہو جائے گی

سر اُٹھائیں گے نہ اُس دہلیز سے
اُن کے مُنہ سے جب نہ ہاں ہو جائے گی

گُلستاں میں جب جلے گا آشیاں
مُطمئن برقِ تپاں ہو جائے گی

اُن کی محفل سے نکل کر اے بشیرؔ
زندگی اَشکِ رواں ہو جائے گی

مہرباں مُجھ پر ہے جب تک وہ نظر
کیا کرے گی گردشِ شام و سحر

جو کسی صورت نہیں ہیں معتبر
لوگ ہیں وہ مثلِ گردِ رہ گُزر

اہلِ دُنیا پر کریں کیا تبصرہ
ہم کو اپنی ہے نہ دُنیا کی خبر

جب نہیں کوئی ہو اس میں ہم خیال
زندگی مُشکل سے ہوتی ہے بسر

بات میں شامل نہ جب تک ہو خلوص
دِل پہ ہوتا ہی نہیں اِس کا اثر

غوطہ زَن جب تک نہ ہوں ہم زیرِ آب
ہاتھ آجاتے نہیں لعل و گُہر

اے بشیؔر اُن کو یہ کیا یاد آ گیا
مجھ کو دیکھا جھُک گئی اُن کی نظر

فغانِ کشمیر

میرے ہونٹوں پر ہے بس اتنی دُعا
رحم کر وادی پہ اے میرے خُدا

دشمنی پر جو بھی ہے مائل یہاں
ایسے ہر اِک شخص کو اِنسان بنا

سب محبت سے یہاں مل کر رہیں
دُور ہو دِل میں ہے جو بھی خوف سا

اس سے برسیں رحمتوں کی بارشیں
چھائی ہے جو ہر جگہ غم کی گھٹا

پھر پلٹ آئے یہاں اَمن و اماں
پھر جہنم زار کو جنت بنا

میں کروں فریاد تو کس سے کروں؟
کون ہے اپنا یہاں تیرے سوا

صرف رکھتا ہے یقین تجھ پر بشیرؔ
تو ہی سننے والا ہے سب کی دُعا

......﴿﴾......

کب مصائب اس سے وابستہ نہیں
کب یہ دِل اِن سے کمربستہ نہیں

جِس پہ اُس کا نقشِ پا آئے نظر
دُور تک ایسا کوئی رستہ نہیں

کون ہے اِس زندگی سے مطمئن
حال کِس اِنسان کا خستہ نہیں

کس قدر کانٹوں بھری ہے زندگی
یہ کوئی پھولوں کا گُلدستہ نہیں

توڑیے کچھ اور بھی اِس پر ستم
دِل ابھی پوری طرح خستہ نہیں

خود کشی کی کیجیئے کوئی سبیل
جینے کا اب کوئی بھی رستہ نہیں

گُزری یادیں کب نہیں ہیں ذہن میں
حال کب ماضی سے وابستہ نہیں

داد تم کو کیسے مِل جائے بشیؔر
جب ترے اشعار برجستہ نہیں

دِل ہے اِک مُدّت سے محو اِنتظار
اب تو آجاؤ مِلے اِس کو قرار

اپنے سائے سے بھی ڈر جاتے ہیں ہم
اب کسی کا بھی نہیں ہے اعتبار

حق بیانی کے ہیں ہم پھر بھی مُرید
جانتے ہیں ہم کہ ہوں گے سنگسار

کس طرح اِنساں کی پہچان ہو
ہر کسی اِنساں کے چہرے ہیں ہزار

آج کے انساں سے مانگوں پناہ
آج کے انساں سے ہوں دِل فِگار

سانحے دِلدوز تھے کیا کیا بشؔیر
سب کی آنکھیں ہیں ابھی تک اَشکبار

رنگ بدلے ہے یہ اِک پل میں ہزار
اِس زمانے کا نہیں کچھ اعتبار

دوستی کا دَم تو بھرتے ہیں سبھی
غم میں کوئی بھی نہیں ہے غمگُسار

مُشکلوں میں حوصلہ بھی چاہئیے
دِل میں ہونا چاہئیے صبر و قرار

کچھ دِنوں کی مہماں ہے بادِ خزاں
گُلستاں میں آنے والی ہے بہار

اِس سے ہم کو کب بھلا اِنکار ہے
وہ ہے اعلیٰ اور ہم ہیں خاکسار

اب زیادہ کیا کہیں ہم اے بشیرؔ
زندگی ہے حسرتوں کا اِک مزار

نہیں معلوم یہ کیا ہوگیا ہے
کہ سارا شہر صحرا ہو گیا ہے

پریشاں ہے جسے بھی دیکھتے ہیں
یہ کیسا حشر برپا ہوگیا ہے

فقط ہے یاسیت حدِ نظر تک
عجب ماتم سا برپا ہوگیا ہے

گھروں میں ہے برابر آہ و زاری
پتہ چلتا نہیں کیا ہوگیا ہے

کوئی سُنتا نہیں ہے بات حق کی
زمانہ جیسے بہرا ہوگیا ہے

یہ کیسا آپڑا ہے وقت ہم پر
لہو انساں کا سستا ہوگیا ہے

بشیرؔ اپنوں کی ہی یہ دَین ہے
کہ دُشمن گھر میں پیدا ہوگیا ہے

کون سا دِل ہے وہ جِس میں غم نہیں
زندگی میں کس کی آنکھیں نَم نہیں

سوچتا ہوں یہ اچانک کیا ہُوا
کچھ دِنوں سے مجھ سے وہ برہَم نہیں

دوسروں کو دیتے رہتے ہیں فِریب
کچھ بھی ہو ایسوں میں شامل ہم نہیں

زندگی میں اِک سا موسم نہیں
جو سِتم اُس کا ہے وہ پیہم نہیں

کیا بتاؤں اُن کا کیا مفہوم ہے
اُن کی نظروں کے اِشارے کم نہیں

جن کو ہم کہتے ہیں شانِ گُلستاں
ساتھ اُن پھولوں کے کانٹے کم نہیں

غم وہ دیتے ہیں بہت سے اے بشیؔر
ہاں مگر کوئی شریکِ غم نہیں

❁

دِل مرا جب درد سے بھر جائے ہے
اور بھی شُدت سے وہ یاد آئے ہے

اُس میں اِک دِن جذب ہونا ہے مجھے
یہ طبیعت کس لئے گھبرائے ہے

چاہتا ہے کوئی اُس کو تھام لے
جب کوئی اِنساں ٹھوکر کھائے ہے

اور بھی بڑھ جاتی ہیں پھر دُوریاں
پاس اُس کا جب بھی گھر آجائے ہے

ماسِوا اِس کے کروں میں پیش کیا
دِل کا یہ تحفہ بھی وہ ٹھکرائے ہے

بارہا ایسا بھی ہوتا ہے یہاں
غیر دانستہ بھی وہ تڑپائے ہے

ٹھیس سی لگتی ہے دِل کو اے بشیؔر
گُلستاں میں جب کلی مُرجائے ہے

جب نہیں وہ زندگی میں ہم سفر
کس قدر ویراں ہے پھر یہ رہ گزر

حالِ دل اشکوں سے کرتا ہوں بیاں
اِس پہ بھی ہوتا نہیں اُس پر اثر

ہر قدم پر ہے مصائب کا ہجوم
ایسی صورت میں کہاں جائے بشر

مِل نہیں پایا مجھے اُس کا سُراغ
مُدتوں سے پھر رہا ہوں در بدر

میں سمجھ پایا نہیں اُس کا مِزاج
مسکراتا ہے وہ ہر اِک بات پر

اُس کے بارے میں کہوں تو کیا کہوں
جب مجھے اپنی نہیں کوئی خبر

وہ ہو صحرا یا ہو کھنڈر اے بشیرؔ
میں جہاں ٹھہروں وہی ہے میرا گھر

زندگی پر جب تھی بھاری زندگی
ہم نے یوں بھی ہے گُزاری زندگی

اب نہیں ہے کوئی بھی اِس کا وقار
بن گئی ہے کاروباری زندگی

جیت کر بھی اِس کا کچھ حاصل نہیں
اِس لئے بھی ہم نے ہاری زندگی

یہ بگڑتی ہی گئی ہے دِن بہ دِن
ہم نے جتنی بھی سنواری زندگی

کوئی بھی تعظیم کے قابل نہیں
کیا تُمہاری کیا ہماری زندگی

ایسے میں کیوں کر ملے دِل کو سکوں
دیتی ہو جب دِل آزاری زندگی

اے بشیؔر اِس کو بیاں کیسے کروں
بن گئی ہے اشتہاری زندگی

❁

اِس کا ہر انداز ہوتا ہے الگ
زِندگی کا ساز ہوتا ہے الگ

پار کرتا ہے حَدِ افلاک جو
وہ پرِ پرواز ہوتا ہے الگ

یہ کسی پر بھی کبھی کھُلتا نہیں
دِل کا ہر اِک راز ہوتا ہے الگ

درد کے انجام کی ہم کیا کہیں
درد کا آغاز ہوتا ہے الگ

لاتے ہیں دُنیا میں جو بھی اِنقلاب
اُن کا ہر اعجاز ہوتا ہے الگ

مِٹتا ہے بہر وطن جو اے بشیرؔ
اُس کو خود پر ناز ہوتا ہے الگ

سبوں کے لیے مُسکراتے رہیں گے
مگر دِل کے غم ہم چھُپاتے رہیں گے

ابھی اشک خود ہی پیئے جا رہے ہیں
مگر تیری محفل سجاتے رہیں گے

یہ تاریک راہیں بھی ہو جائیں روشن
گھروں کو ہم اپنے جلاتے رہیں گے

نئی نسل کو اپنا مُنہ کیا دِکھائیں
ہَم اپنی نِگاہیں چُراتے رہیں گے

یہ بچے بڑے ہو کے بچوں کو اپنے
ہماری یہ غیرت سُناتے رہیں گے

بشیؔر اب تو ہے یہ کہانی ہماری
فقط غَم سے خود کو لُبھاتے رہیں گے

جو فقط باتوں سے دِل بہلائیں گے
زندگی سے دور ہوتے جائیں گے

جو اڑاتے ہیں غریبوں کا مذاق
دیکھنا وہ ایک دِن پچھتائیں گے

مِل سکے گا حق کبھی حقدار کو
زندگی میں ایسے بھی دِن آئیں گے

جو بھی ہیں خود اعتمادی کے بغیر
ہر قدم پر ٹھوکریں ہی کھائیں گے

جا رہے ہیں میرے دِل سے دور جو
پھر وہی شام و سحر یاد آئیں گے

جھوٹی باتیں سچ بنانے کے لئے
بارہا وہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے

کیا سنواریں گے وہ فردا کو بشیؔر
لوگ جو ماضی میں ہی کھو جائیں گے

اُلجھ کر رہ گیا ہُوں اَب یہاں میں
کہ خود کو ڈھونڈنے جاؤں کہاں میں

بیاں کیسے وہ ویرانی ہو مجھ سے
مَکینوں کے بِنا تھی جو مکاں میں

درد سے تھی بھری اُس کی کہانی
طلاطم مچ گیا جِس سے جہاں میں

جہاں پر سب کے سب ہی ہیں سُخنوَر
کہوں کیا طفلِ مکتب ہوں وہاں میں

بھری محفل میں اُس نے بات چھیڑی
نہیں تھی جو کسی کے بھی گماں میں

کوئی پوچھے تو کیا پوچھے بشیرؔ
تفاوت ہے عمل میں اور بیاں میں

وہ میرا خالق ہے بے شک یہ مرا اِیمان ہے
وہ سبھوں کا ہے خدا اور سب پہ مہربان ہے

نا کسی نے ہے جُنا نا کوئی اُس سے ہے جنا
لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ قرآں کا فرمان ہے

اِس ہماری زندگی کی بس حقیقت ہے یہی
خاک سے پُتلا بنایا اُس میں ڈالی جان ہے

وہ اکیلا سب کا مالِک ہے نہیں کوئی شریک
ایک حرفِ ''کُن'' سے پیدا یہ زمین آسماں ہے

ہم نے ناحق پال لی ہیں الجھنیں ورنہ یہاں
بس محبت اور عبادت کے لئے اِنساں ہے

منحصر ہے یہ عمل پر اور ترے کِردار پر
اُس کی نظروں میں برابر ورنہ ہر انسان ہے

ہے اُسی کے سلسلے سے میری نسبت اے بشیؔر
ساری دنیا میں مری اب یہی پہنچان ہے

جانتے ہیں مختصر ہے زندگی
اس پہ بھی محوِ سفر ہے زندگی

اِس کا اِس دنیا میں ہے جب تک وجود
گردش شام و سحر ہے زندگی

ہر کسی شے پر یہ رکھتی ہے نظر
اس لئے اہلِ نظر ہے زندگی

آرزؤں پر ہے اِس کی دسترس
کیسے کہدوں بے اثر ہے زندگی

کھل نہیں پایا ابھی تک ہے یہ راز
کس کی خاطر در بہ در ہے زندگی

راس آجائے تو ہے یہ گُلستاں
ورنہ چشمِ تر بہ تر ہے زندگی

اکھڑی اکھڑی مجھ سے رہتی ہے بشیرؔ
بدگماں کِس بات پر ہے زندگی

اِک صدائے معتبر پیدا کریں
زندگی میں یہ ہُنر پیدا کریں

آپ کی باتوں سے ہوں سب مستفید
اپنی باتوں میں اثر پیدا کریں

پھر سفر کا لائیں اس دِل میں خیال
پہلے کوئی ہم سفر پیدا کریں

جس کے دِل میں ہر کسی کا ہو خیال
ایسا کوئی راہبر پیدا کریں

منزلِ مقصود تک لے جائے جو
ایک ایسی رہگُذر پیدا کریں

آپ کی تقلید ہر کوئی کرے
ظلمتِ شب سے سَحر پیدا کریں

زندگی میں در بہ در ہیں جو بشیرؔ
اُن کی خاطر کوئی گھر پیدا کریں

میں اپنی آگ میں اکثر جلا ہوں
کبھی خود سے میں جب تنہا مِلا ہوں

یہ خوابوں کا محل ہے خوب صورت
اِجازت دیں میں اب سُونے چلا ہوں

دفَن ہیں میرے سینے میں خزانے
میں خود پر بھی نہیں اب تک کھُلا ہوں

پہیلی سی لگے ہے مجھ کو دُنیا
اسی دُنیا میں تو میں بھی پَلا ہوں

کبھی میں مُسکرانے میں ہوں ظاہر
کبھی آنسو کی صورت میں ڈھلا ہوں

سمندر میں جو ٹھاٹھیں مارتا ہے
اِسی پانی کا میں اِک بلبلہ ہوں

بشیرؔ اِس زندگی کا کیا بھروسہ
کبھی کیا ہو ابھی تک تو بھلا ہوں

……※……

عمر ساری جُستجُو میں کٹ گئی
آرزو ہی آرزو میں کٹ گئی

تھے مرے ہمرہ مرے احباب بھی
راہ ساری گفتگو میں کٹ گئی

زخم دِل کے اور گہرے ہو گئے
ہر گھڑی فکرِ رفُو میں کٹ گئی

اُس نگر کا کیا کہیں جس میں جناب
زندگی خوفِ عدُو میں کٹ گئی

عمر کے اِس دور کا دیں کیا حساب
جو گردش جام و سبو میں کٹ گئی

گلستان تک ہم نہیں پہنچے بشیؔر
بس خیالِ رنگ و بو میں کٹ گئی

زندگی میں دِل لگی اچھی نہیں
ایسی عادت آپ کی اچھی نہیں

جو کسی کو تنگ کرکے ہو نصیب
ایسی کوئی بھی خوشی اچھی نہیں

آپ کی یہ دُوریاں میں کیا کہوں
زِندگی میں یہ کمی اچھی نہیں

تنگدستی اِس کا ہے رَدِ عمل
کیا بتاؤں مُفلسی اَچھی نہیں

آپ بے شک مختصر ہی کچھ کہیں
مُستقل یہ خامشی اَچھی نہیں

کچھ نہیں غم سے ملے گا اے بشیؔر
غم سے یہ وابستگی اَچھی نہیں

غلط کام کرنے سے ڈرتا نہیں ہے
کبھی احتساب اپنا وہ کرتا نہیں ہے

وہ جِس کے ہزاروں ہیں احساں اِس پر
کبھی یاد اُس کو بھی کرتا نہیں ہے

عمل پر ہے ہوتا یقین پختہ جِس کا
کبھی ٹھنڈی آہیں وہ بھرتا نہیں ہے

دِل میں جس کے سربسر ہو حُسنِ یار
وہ ادائے غیر پر مرتا نہیں ہے

جو دُنیا میں راضی ہو اُس کی رضا پر
کبھی زندگی میں بِکھرتا نہیں ہے

بھرے دوستی کا دم تو پھر وہ
کبھی پھیر کر مُنہ گُذرتا نہیں ہے

وہ جو جھوٹ کو اپنا شیوہ بنائے
کبھی اے بشیؔر وہ سُدھرتا نہیں ہے

زندہ رہنے کے لئے کوئی ٹھکانہ چاہئے
وہ پرندہ ہو کہ اِنساں آشیانہ چاہیے

ٹھیک ہے جنگل میں رہنے سے ہی مِلتا ہے سکوں
شہر میں بھی کبھی تو آنا جانا چاہئے

لمحہ بھر میں وہ نظر جانے یہ کیا ہے کر گئی
زخم بھر جانے کو اب تو اِک زمانہ چاہئے

کیا کہیں کیا کیا فسانے ہو گئے مشہور ہیں
سچ ہے دُنیا کو تو بس کوئی بہانہ چاہیئے

ہے نہیں ممکن اکیلے میں کٹے یہ زندگی
کوئی ہمدم کوئی راہی ساتھ ہونا چاہیئے

جب کسی سے کوئی وعدہ کر لیا ہے اے بشیؔر
ہر کسی قیمت پہ وہ وعدہ نبھانا چاہیئے

ذکرِ خالق جب بھی اِنساں بھول جاتا ہے
پھر خُدا بھی اُس کو اکثر بھول جاتا ہے

عہدِ مُشکل میں ہی حق کی یاد آتی ہے ہمیں
ہر فراغت میں تو اِنساں بھول جاتا ہے

سنگ مرمر سے سجا لیتا ہے اپنا گھر یہاں
آخرت کا گھر وہ یکسر بھُول جاتا ہے

جِس کو ملتا ہے جہاں میں کچھ مقام
اصلیت اپنی وہ یکسر بھُول جاتا ہے

جس پہ پڑتی ہے کبھی اُس کی نظر
دُنیا کیا وہ اپنا گھر تک بھُول جاتا ہے

جانتا ہوں زندگی اِک امتحاں ہے اے بشیؔر
پھر بھی یہ دِل اِس کو اکثر بھُول جاتا ہے

حق کی راہ پر زِندگی جب چَل پڑی
پھر یہ آساں ہو کہ ہو مُشکل بڑی

سچ کو سہنا اور سچ کہنا ہے کٹھن
آہی جاتی ہے کبھی ایسی گھڑی

آج پھر شُدّت سے اُس کا منتظر
دِل کی حالت آج ہے نازک بڑی

سب کو میں نے فیض پہنچایا یہاں
پھر بھی دُنیا ہے مِٹانے پر اَڑی

ہے حقیقت سے بہت ہی دور جو
داستاں یہ خود ہی ہے اُس نے گھڑی

پھر بھی اُس کو ہوگئی ہے مات ہی
موت سے یہ زندگی کتنی لڑی

اس رہِ عشق و وفا میں اے بشیرؔ
آزمائش جو بھی ہے وہ ہے کڑی

زندگی میں زندگانی کا مُدعا بن کر جیو
دِل شکستہ غم زدوں کا آسرا بن کر جیو

غنچہ و گُل کو میسر آئے گی کچھ تازگی
گُلستاں کے واسطے بادِ صبا بن کر جیو

دور تک دُنیا میں پھیلے روشنی
اِن اندھیروں میں دِیا بن کر جیو

ہر کسی کو بھی ملیں راحتیں اس دور میں
ہر کسی کے واسطے تم مسیحا بن کر جیو

گونجتی رہ جائے جو آواز حق کی چار سو
آسماں تک جائے جو ایسی صدا بن کر جیو

ناؤ ہر اِک پار لگ جائے یہی کوشش رہے
ایسے بحرِ بیکراں میں ناخدا بن کر جیو

درسِ اُلفت کا جہاں میں عام کر دے اے بشیرؔ
اِس جفاپرور جہاں میں با وفا بَن کر جیو

جیسے بھی ہو یہ ریاضت میں کٹے
زندگی اپنی عبادت میں کٹے

زندگی یوں بھی گُذر ہی جائے گی
کیا ہی اچھا ہو محبت میں کٹے

ایسا ہر لمحہ بھی ہوگا معتبر
جو بُزرگوں ہی کی صحبت میں کٹے

جو رہا ہر دم ہے میرے ساتھ ساتھ
عمر اُس کی ہی رفاقت میں کٹے

جانتے ہیں زندگی کا راز وہ
عمر ساری جِن کی غُربت میں کٹے

ہے تمنّا میرے دل میں اے بشیؔر
زندگی اوروں کی خدمت میں کٹے

جو وطن کے واسطے قربان ہیں
وہ خُدا کا مانتے فرمان ہیں

ذات اور مذہب کو یہ دیکھیں نہیں
ہندو ہوں مُسلم ہوں سب اِنسان ہیں

سرحدوں کی بھی حفاظت کے لئے
دیتے اکثر جو یہ اپنی جان ہیں

وقتِ حاضر میں جو یہ حالات ہیں
زِندہ رہنے کے نہیں اِمکان ہیں

جس سے بس انسانیت کا ہو قتل
اب یہاں وافر یہی سامان ہیں

بھائی بھائی سے لڑاتے ہی رہے
یہ سیاست کے ہی سب احسان ہیں

شاعری کے فَن سے جو واقف نہیں
جانتے ہیں اے بشیرؔ صاحبِ دیوان ہیں

جہاں میں حق کی خاطر جو لڑے ہیں
حقیقت میں وہی سب سے بڑے ہیں

سفینے ہی ہیں واقف اِس طوفان سے
وہ کیا جانیں جو ساحل پر کھڑے ہیں

جرم ہے یہ انہیں معلوم ہے پھر بھی
اُسی اپنی جہالت پر اڑے ہیں

مری باتیں بُری شاید لگی ہیں
تبھی ماتھے پہ یہ بل سے پڑے ہیں

یہ بچوں کا نہیں ہے کھیل کوئی
مراحل زندگی کے سب کڑے ہیں

خُدا کی یاد آجاتی ہے اُس دم
مصیبت سر پہ جب بھی آپڑے ہیں

ہے مصائب کا یہ بحرِ بیکراں
کیا بیاں ہو زندگی کی داستاں

نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں چار سو
سب کے لب پر ہے یہاں آہ و فغاں

کیسے ہو محفوظ اب کوئی یہاں
جب میسر ہی نہیں امن و اماں

برق مُضطر ہے جلانے کے لئے
دیکھتی ہے جب بھی کوئی آشیاں

جو اندھیرے کو کہیں ہیں روشنی
ہیں یہاں ایسے کئی جادو بیاں

جو نظر آتی نہیں اِنسان کو
کس طرح سے دور ہوں وہ خامیاں

میرے دل کی آرزو ہے اے بشیؔر
پھر مرا کشمیر ہو جنت نِشاں

دل کو ہیں گھیرے ہوئے غم کیا کریں
سوچتے ہیں ایسے میں ہم کیا کریں

غیر ممکن ہے یہ بہتر ہو سکے
صورتِ حالات کا ہم کیا کریں

باطِلوں کا ہے ہجومِ بیکراں
حق کا ہم لہرا کے پرچم کیا کریں

کیا کہیں مُدّت سے ہیں وہ بدگماں
اُن کو اب ہم اور برہم کیا کریں

جب کوئی بھی پوچھنے والا نہیں
ایسے میں آنکھوں کو ہم نَم کیا کریں

زندگی اُن کی نہیں ہے پُر وقار
ان کے آگے سر کو ہم خم کیا کریں

سب کے دل میں ہیں کدورت کے چراغ
اے بشیرؔ اب اِن کو مدہم کیا کریں

سامنا اُس سے ہوا اکثر میرا
ہو نہ پایا جو کبھی دم بھر میرا

دیکھنا ہی ہے تو پھر دیکھ اِسے
درد و غم کا دِل ہے پیکر میرا

آشِنا قسمت سے میرا ساقی نکلا
پھر لبالب بھر گیا ساغر میرا

ہاتھ میں پتھر لئے نِکلا تھا وہ
پھر نظر آیا اُسے یہ سر میرا

پھر کہاں محفوظ رہ سکتا تھا وہ
بجلیوں کی زد میں تھا جو گھر میرا

زندگی یوں بھی تو ہے ناپائیدار
کچھ بھروسہ ہی نہیں اس پر میرا

اس لئے ہوں آج بھی پتھر بشؔیر
مِل سکا مجھ کو نہیں آزر میرا

جب جُدائی سے دل گُزرتا ہے
کرب سے پھر کہاں اُبھرتا ہے

جب بزرگوں کی مِلتی ہے صحبت
ایسے میں ہر کوئی نِکھرتا ہے

جس سفینے کو چاہئے ساحل
تیز طوفاں سے بھی گُزرتا ہے

جس کے اعمال نیک ہوتے ہیں
روشنی بن کے وہ بکھرتا ہے

زلف بِکھری بِکھر گئے منظر
چاند بدلی سے جب گُزرتا ہے

اے بشیؔر مجھ سا دیوانہ یہاں
دِل میں جو آئے کر گُزرتا ہے

بیاں کیسے ہو کیا تنہائیاں ہیں
کہیں آہیں کہیں شہنائیاں ہیں

مری نظروں کی ہیں مرہونِ منت
کسی چہرے پہ جو رعنائیاں ہیں

ہر اِک جانب سے میرا خیر مقدم
جِدھر جاؤں مری رُسوائیاں ہیں

کہیں یہ زندگی ماتم کدہ ہے
کہیں پہ رقص میں شہنائیاں ہیں

ہیں میری منتظر یہ مُدّتوں سے
جِدھر دیکھوں اُدھر پرچھائیاں ہیں

بشیؔر ہے اہلِ فن کی یہ عنایت
مرے شعروں میں جو گہرائیاں ہیں

ڈھونڈتا رہتا ہوں اُس کو وہ کہاں ہے
تذکرِہ جس کا مرے وردِ زباں ہے

اُس کے یہ انداز ہیں باہر بیاں سے
جو ہے دل میں تو نِگاہوں سے نِہاں ہے

بس یہی سوغات دُنیا سے ملی ہے
زخم بھر ہی گیا باقی نِشاں ہے

عنایت زندگانی کی ہے یہ مجھ پر
اشک بن کر نِگاہوں سے رَواں ہے

کس طرح خود کو چھپا پاؤ گے اے دوست
داستاں اُس کی آنکھوں سے عیاں ہے

کہاوت ہے یہ پرانی پھر بھی سچ ہے
اگر جاں ہے تو پھر سارا جہاں ہے

کبھی اِتفاقاً ہی ہوئی تشکیل ہوگی
بشیؔر خود پر یہی ہوتا گماں ہے

اُن کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہے
ایسا لگتا ہے یہ بناوٹ ہے

میری حق گوئی کا ہے ردِ عمل
سب کے دِل میں جو تلملاہٹ ہے

اُس کا باطِن بہت ہے بَد صورت
یہ جو ظاہر بہت سجاوٹ ہے

اُس کی ہمدردی کا کیا کہیئے؟
اور کچھ بھی نہیں دِکھاوٹ ہے

کتنی ہی مستیوں کا مرکز ہے
اُن کی آنکھوں میں جو جگمگاہٹ ہے

ہے بظاہر سفر پہ آمادہ
آنکھوں میں کس قدر تھکاوٹ ہے

ایسا محسوس ہو رہا ہے بشیرؔ
اِک نئے دور کی یہ آہٹ ہے

اِک عجب کرب زار میں گُم ہے
دِل ترے انتظار میں گُم ہے

ہم نے دیکھا نہیں تھا یہ ماحول
ہر کوئی انتشار میں گُم ہے

کیا کروں کشتیٔ سکونِ دل
درد کی جوئبار میں گُم ہے

کیسے دے گی نشان منزل کا
گرد جو رہگُذار میں گُم ہے

اُس کی تفصیل ہو بیاں کیسے
بات جو اِختصار میں گُم ہے

درد میرے دلِ شکستہ کا
دامنِ تار تار میں گُم ہے

اُس کو ڈھونڈوں کہاں بشیؔر آخر
وہ اَنا کے حِصار میں گُم ہے

صورتِ حالات پر کچھ غور کر
وقت کی ہر بات پر کچھ غور کر

اِنقلاب آنے کی صورت ہے کوئی
اس کے امکانات پر کچھ غور کر

جس سے تیرے دِل کا بچنا ہے محال
اُس نظر کی گھات پر کچھ غور کر

جو سحر کی روشنی کی زد میں ہے
اُس شبِ ظلمات پر کچھ غور کر

دِل لگی وابستہ ہے جس سے میری
شدّتِ جذبات پر کچھ غور کر

کیا کریں اس سے توقع اے بشیؔر
گردشِ حالات پر کچھ غور کر

بات ہرگز وہ سنگِ میل نہیں
جن کی ہوتی کوئی دلیل نہیں

ایسے میں گفتگو کہاں ہوگی
اُن سے ملنے کی جب سبیل نہیں

آرزوئیں ہوں دِل کی پوری
زندگی اس قدر طویل نہیں

چار جانب ہیں موت کے سائے
زندہ رہنے کی کچھ سبیل نہیں

اس پہ بھی جینا جانتا ہوں میں
کب طبیعت میری علیل نہیں

بے دھڑک موت سے یہ ٹکرائے
زندگی اِتنی خود کفیل نہیں

بات کرتا ہوں جو بھی دل سے اے بشیرؔ
وہ کبھی ہوتی بے دلیل نہیں

لوگ جو باشعور ہوتے ہیں
اُلجھنوں سے وہ دور ہوتے ہیں

سجدہ ریزی سے دور رہتے ہیں
جو بھی اہلِ غیور ہوتے ہیں

بس گئے جو کسی کی آنکھوں میں
محوِ کیف و سرور ہوتے ہیں

ہر سزا اُن کو مل کے رہتی ہے
لوگ جو بے قصور ہوتے ہیں

صاف ہوتے ہیں ذہن و دل جن کے
سر بسر رنگ و نور ہوتے ہیں

کشمکش اور انتظار میں ہیں
جو بھی منزل سے دور ہوتے ہیں

جن کا کوئی نہیں ٹھکانہ بشیرؔ
ایسے بھی کچھ طیور ہوتے ہیں

☆

کر گئے حق بات کا اظہار ہم
بن گئے اپنے لئے آزار ہم

کیا بتائیں کیوں بکھر کر رہ گئے
ورنہ تھے اِک آہنی دیوار ہم

آپ نے جو کہا کرنا پڑا
کر نہیں پائے کبھی انکار ہم

بات کرنے کا نہیں جن کو شعور
کیا کریں ایسوں سے کچھ تکرار ہم

جس کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا
بن گئے اُس ناؤ کی پتوار ہم

ہم بلا کیسے کریں کچھ اختلاف
ہیں رعایا آپ کی سرکار ہم

دیکھتے ہی رہ گئے ہم اے بشیرؔ
جب ملے ہیں اُن سے پہلی بار ہم

❁

زندگی یہ عذاب میں گزری
تلخیٔ بے حساب میں گزری

یہی بہتر ہے بھول جائیں ہم
جو بھی حالِ خراب میں گزری

ہم سمجھتے ہیں زندگی اس کو
جو ہے کارِ ثواب میں گزری

کٹ گئی کچھ یہ گہرے سوچوں میں
کچھ غمِ بے حساب میں گزری

یہ حقیقت ہے ہر گھڑی میری
ذکرِ عالیٰ جناب میں گزری

کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اس کا
جو سوال و جواب میں گزری

اے بشیؔر اُن میں ہم بھی شامل ہیں
جِن کی ہے پیچ و تاب میں گزری

دور تک پھیلیں گے کیا ظلمات اور
گہری ہوتی جائے گی کیا رات اور

کیا گوارا ہو گی میری بات اور
کیا وہ چل پائیں گے میرے سات اور

اشک اِن آنکھوں میں تھمتے ہی نہیں
ٹوٹ کر برسے گی کیا برسات اور

مختلف ہیں کسقدر اُن کے خیال
ہیں دوریاں بڑھنے کے امکانات اور

وہ نہیں سن پائیں گے شاید اُنہیں
میرے دِل میں ہیں ابھی خدشات اور

آج ہر انسان پریشاں ہے بشیرؔ
کیا بگھڑنے والے ہیں حالات اور

مسائل انجمن در انجمن ہیں
ابھی باقی رسوماتِ کُہن ہیں

نہیں سنتا غریبوں کی کوئی بھی
وطن میں رہ کے بھی یہ بے وطن ہیں

ہیں نظروں میں یہ جیسے زندہ لاشیں
زیادہ لوگ بے گور و کفن ہیں

ہوں سارے معتقد انسانیت کے
اُسی کے واسطے سارے جتن ہیں

جو فن کے بارے میں سب کو بتائیں
نہیں ملتے کہیں جو اہلِ فن ہیں

بشیرؔ ایسا مجھے لگتا ہے اکثر
یہاں پر سب کے سب تشنہ دہن ہیں

بنے گی زندگی میں ایسی صورت کب
پڑے گی آپ کو میری ضرورت کب

جہاں میں بھائی چارہ عام ہو پھر سے
دِلوں سے دور ہوگی یہ کدورت کب

نہیں اہلِ سیاست کا کوئی کردار
بدل سکے زمانہ اِن کی خصلت کب

جہاں ہر چیز کا ہوتا ہو کاروبار
بڑے گی فکر و فن کی قیمت کب

نظر میں اُس کی انساں ہیں سارے
یہ جانے گا کوئی انساں حقیقت کب

بشیؔر اِس دل میں حسرت ہے یہی اب بھی
کرے انسان سے انساں محبت کب

کہنہ رسمیں مٹانے والا ہے
ایسا دور آنے والا ہے

جو بُجھانے سے نہیں بُجھتی
آگ ایسی لگانے والا ہے

آج جو ہے کل نہیں ہوگا
وقت بیت جانے والا ہے

اُس کا یہ اندازِ بے نیازی
عمر میری گھٹانے والا ہے

اُس کی فطرت سے واقف ہوں
بات کو بڑھانے والا ہے

یہ اندھیرے بھی روشن ہوں
اس لئے گھر جلانے والا ہے

تیز لہریں نہ کر سکے برداشت
وہ سفینہ ڈوب جانے والا ہے

ایسا لگتا ہے کہ اب بشیؔر
نئی دنیا بسانے والا ہے

دُنیا کے مسائب کا
قرض یوں چکاؤں گا
خالی ہاتھ آیا ہوں
خالی ہاتھ جاؤں گا
(بشیرؔ)